MIRRAT UL ARIFEEN INTERNATIONAL
ماہنامہ
مرآۃ العارفین انٹرنیشنل
لاہور
جلد نمبر 23
شمارہ نمبر 11
مارچ 2023ء، شعبان المعظم / رمضان المبارک 1444ھ
WWW.MIRRAT.COM

قرآن نمبر

عصرِ حاضر میں عالمِ اسلام کے مسائل کا حل **تعلیماتِ قرآن** پر عمل میں پوشیدہ ہے
اور یہی مسلمان کی دنیوی واُخروی فلاح وکامیابی کی ضمانت ہے۔

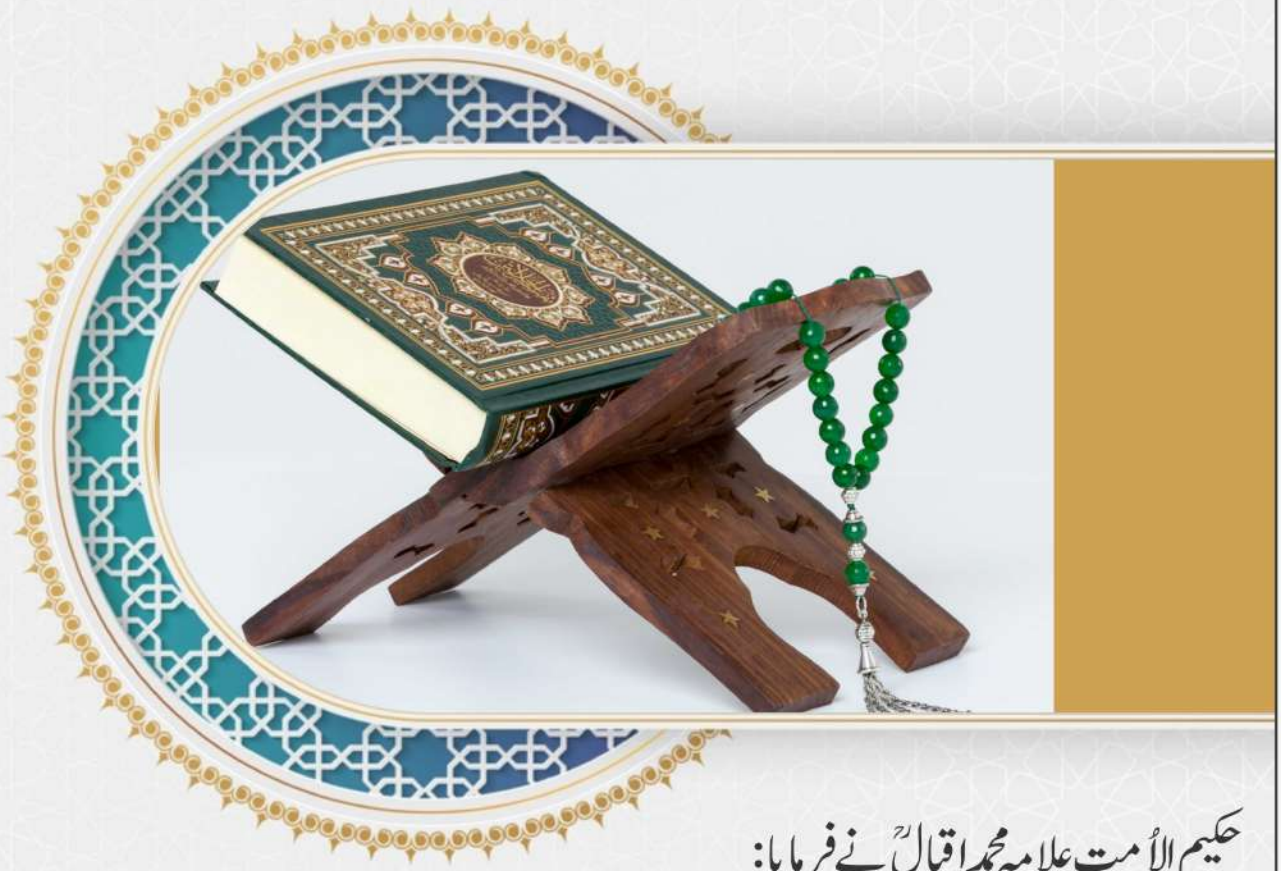

حکیم الاُمت علامہ محمد اقبالؒ نے فرمایا:

دل بآیات مبیں دیگر بہ بند
تا بگیری عصر نو را در کمند

توقرآن کریم کی روشن آیات سے دوبارہ دل لگا تا کہ توعصرِ حاضر کوکمند میں گرفتار کر سکے۔

(جاوید نامہ)

مسلسل اشاعت کا تئیسواں سال

MIRRAT UL ARIFEEN INTERNATIONAL

ماھنامہ

مرآۃ العارفین انٹرنیشنل

لاھور

مارچ 2023ء، شعبان المعظم / رمضان المبارک 1444ھ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

فیضانِ نظرِ

سُلطان الفقر حضرت سخی سُلطان محمد اصغر علی صاحب قدس سرہ العزیز

چیف ایڈیٹر: صاحبزادہ سلطان احمد علی

ایڈیٹوریل بورڈ:
- سید عزیز اللہ شاہ ایڈووکیٹ
- مفتی محمد شیر القادری
- افضل عباس خان

آرٹ ایڈیٹر:
- محمد احمد رضا
- واصف علی

اندرون ملک نمائندے

اسلام آباد	مہتاب احمد
کراچی	لئیق احمد
فیصل آباد	ڈاکٹر غضنفر عباس
ملتان	شبیر حسین
لاہور	حافظ محمد ریحان
کوئٹہ	رسالت حسین
پشاور	سید حسین علی شاہ

بیرون ممالک نمائندے

ممالک	نمائندگان
اٹلی	چوہدری ناصر حسین
انگلینڈ	منظور احمد خان
ساؤتھ افریقہ	آصف ملک
سعودی عرب	مہر کریم بخش
سپین	محمد عقیل
کینیڈا	ثقلین عباس
متحدہ عرب امارات	نصیر شاہ
ملائشیاء	محمد شفقت
یونان	محمد شکیل

نِکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسمِ شبیری رضی اللہ تعالیٰ عنہ (اقبال)

سلطان العارفین حضرت سلطان باھو کی نسبت سے شائع ہونے والا فلسفۂ وحدانیت کا ترجمان،
اصلاحِ انسانیت کا پیمبر، اتحادِ ملّتِ بیضا کے لئے کوشاں، نظریۂ پاکستان کی روشنی میں استحکامِ پاکستان کا داعی

اس شمارے میں

1	اقتباس		3
اداریہ			
2	دستک		4
قرآن نمبر			
Psychology			
3	ذہنی دباؤ سے بچاؤ (تعلیمات قرآن کی روشنی میں)	ڈاکٹر مصباح صغیر	5
Logic & Argumentation			
4	مباحثہ و مکالمہ کی مؤثر مہارتیں	مفتی محمد وسیم اختر المدنی	13
Language			
5	اُردو زبان پر قرآن کریم کے فیوض و برکات	ڈاکٹر محمد اشرف کمال	16
Time Management			
6	وقت شناسی و تنظیمِ وقت کا جدید تصور اور قرآنِ مجید کی تعلیمات	حافظ محمد شہباز عزیز	23
A Principle of Understanding Quran			
7	قرآنی آیات کے اسبابِ نزول کی شناخت اور فوائد	مفتی محمد صدیق خان قادری	31
Sufism			
8	قرآن مجید اور اسرارِ معرفت (تصنیفاتِ سلطان العارفینؒ سے ایک مطالعہ)	لئیق احمد	35
9	حروف مقطعات کی صوفیانہ تفاسیر	مفتی محمد اسماعیل خان نیازی	41

فی شمارہ نیوز پیپر	فی شمارہ آرٹ پیپر
70 روپے	100 روپے
سالانہ (ممبر شپ) 840 روپے	سالانہ (ممبر شپ) 1200 روپے

سعودی ریال	امریکی ڈالر	یورپین پونڈ
800	400	280

اپنی بہترین اور مؤثر کاروباری تشہیر کیلئے مرآۃ العارفین میں اشتہار دیجئے رابطہ کیلئے: 0300-8676572

پبلشر سجاد علی چوہدری نے قاسم نعیم آرٹ پریس، بندر روڈ، لاہور سے چھپوا کر بیسمنٹ خواجہ آرکیڈ کیمیکل مارکیٹ، بندر روڈ لاہور سے شائع کیا

برائے خط و کتابت: ماہنامہ مرآۃ العارفین انٹرنیشنل P.O.Box No.11 جی پی او، لاہور E-mail: miratularifeen@hotmail.com
WWW.ALFAQR.NET, WWW.MIRRAT.COM

"کِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَیْكَ مُبٰرَكٌ لِّیَدَّبَّرُوْۤا اٰیٰتِهٖ وَ لِیَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ"(سورہ ص:29)

"یہ ایک کتاب ہے کہ ہم نے تمہاری طرف اتاری برکت والی تاکہ اس کی آیتوں کو سوچیں اور عقل مند نصیحت مانیں"۔

"ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ (رضی اللہ عنہا) بیان فرماتی ہیں کہ سیّدی رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) نے ارشاد فرمایا: جنت کے درجات کی تعداد، قرآن کی آیات کی تعداد کے برابر ہے - سو جب قرآن والوں میں سے کوئی جنت میں داخل ہو گا تو اُس کے اوپر کسی اور کا درجہ نہیں ہو گا-

(مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح، بَابُ صِفَةِ الْجَنَّةِ وَأَهْلِهَا)

سرِ ربانی محبوبِ سبحانی غوث الاعظم محی الدین
سیدنا شیخ عبد القادر جیلانی
فرمان

"پس ہمارے لیے دو قسم کا علم نازل کیا گیا ہے - ایک علم ظاہر ہے اور دوسرا علمِ باطن یعنی شریعت اور معرفت - پس شریعت کا علم ہمارے ظاہر کو سنوارتا ہے اور معرفت کا علم ہمارے باطن کو - ان دونوں علوم کا اجتماع کا نتیجہ علم حقیقت ہے - جیسا کہ درخت اور پتوں کے اجتماع کا نتیجہ پھل ہے - اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: "اُس نے دو سمندر اس طرح بہائے کہ بظاہر دونوں ایک نظر آتے ہیں لیکن ان کے درمیان ایک حدِّ فاصل ہے جس سے وہ ایک دوسرے پر نہیں چڑھ سکتے"- محض علم ظاہر سے حقیقت حاصل نہیں ہو سکتی اور نہ ہی منزل مقصود پر پہنچا جا سکتا ہے - کامل عبادت کے لیے دونوں علوم کا جمع ہونا ضروری ہے محض ایک علم سے کام نہیں چلتا - اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا: میں نے جنوں اور انسانوں کو محض اپنی عبادت کے لیے پیدا فرمایا - یعنی اپنے معرفت کے لیے پیدا فرمایا ہے - پس جو شخص اللہ عزوجل کو نہیں پہچانتا وہ اُس کی عبادت کس طرح کر سکتا ہے؟"-

(سر الاسرار)

سلطان العارفین
حضرت سلطان باھو رحمۃ اللہ علیہ
فرمان

عاشق سوئی حقیقی جہڑا قتل معشوق دے منّے ھو
عشق نہ چھوڑے مُکھ نہ موڑے توڑے سے تلواراں کھنّے ھو
جتول ویکھے راز ماہی دے لگے اوسے بنّے ھو
سچا عشق حسینؓ علیؓ دا باھو سر دیوے راز نہ بھنّے ھو

(ابیاتِ باھُو)

فرمانِ قائدِ اعظم محمد علی جناح رحمۃ اللہ علیہ

ایمان، اتحاد، تنظیم

"وہ کونسی چیز ہے جس نے فردِ واحد کی طرح مسلمانوں کو متحد کر دیا ہے اور قوم کا ملجا و ماواء کیا ہے؟ اُنہوں نے خود ہی جواب دیا "اسلام" اور مزید کہا: یہ عظیم کتاب قرآن کریم ہے جو مسلمانانِ ہند کی پناہ گاہ ہے - مجھے یقین ہے کہ جیسے جیسے ہم آگے بڑھتے چلے جائیں گے زیادہ سے زیادہ یکتائی آتی جائے گی، ایک اللہ، ایک کتاب، ایک رسول (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) اور ایک قوم ہیں"-

(دی ڈان، 27 دسمبر 1943ء)

فرمانِ علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ

انسان کی ہوس نے جنھیں رکھا تھا چھپا کر
کھلتے نظر آتے ہیں بتدریج وہ اسرار
جو حرفِ 'قُلِ العَفو' میں پوشیدہ ہے اب تک
اس دَور میں شاید وہ حقیقت ہو نمودار!

(ضربِ کلیم)

قرآن اک کتاب ہے اسرارِ سرمدی

رسول اللہ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ اس کتاب (قرآن مجید) کی وجہ سے بہت سے لوگوں کو سربلند فرمائے گا اور دوسروں کو ذلیل کرے گا"۔ (صحیح مسلم) یعنی جو لوگ قرآن پاک کی فہم حاصل کرتے ہیں اور اس پر عمل کرتے ہیں اللہ عزجل انہیں دونوں جہانوں میں کامیاب وکامران فرماتا ہے جو اس کی تعلیمات سے منہ موڑتے ہیں ذلت ورسوائی اُن کا مقدر بن جاتی ہے۔ قرآن پاک کی وسعت کا اندازہ اس روایت سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ سیدنا حضرت علی المرتضیٰ (رضی اللہ عنہ) سے کسی نے عرض کی کہ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کی کتاب کی اتنی بڑی شرح تھی کہ اس کو چالیس اونٹ اٹھاتے تھے، تو آپ (رضی اللہ عنہ) نے ارشاد فرمایا: اگر اللہ تعالیٰ مجھ کو اجازت فرمائے اور صرف سورہ فاتحہ کی تفسیر شروع کروں تو وہ بھی اتنی بھاری ہو جائے۔

قرآن پاک کو اللہ عزوجل نے تمام علوم کا جامع بنا کر قلبِ مصطفٰے (ﷺ) پر اس کا نزول فرمایا جیسا کہ امام جلال الدین سیوطی (رحمۃ اللہ علیہ) فرماتے ہیں: "میں کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ہر چیز پر مشتمل ہے اور جہاں تک انواعِ علوم کی بات ہے تو کسی علم کا کوئی باب اور کوئی مسئلہ ایسا نہیں ہے جس کی طرف قرآن مجید نے اشارہ نہ فرمایا ہو"۔ (تاریخ الخلفاء) صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) کی قرآن پاک سے محبت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ حضرت عمر فاروق (باوجود خود عربی زبان میں مہارت تامہ رکھتے تھے) کے بارے میں حضرت عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہما) سے روایت ہے: "حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) نے 12 سال سورہ بقرہ سیکھی۔ جب آپ (رضی اللہ عنہ) نے سورہ بقرہ مکمل فرمائی تو ایک اونٹ ذبح فرمایا"۔ (شرح الزرقانی علی موطأ الإمام مالک)

مزید یہ کہ صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) کا اپنے تمام پیش آمدہ مسائل کے حل کا اولین ماخذ وذریعہ سیّدی رسول اللہ (ﷺ) پہ نازل ہونے والا لاریب کلام قرآن مجید ہی تھا جیسا کہ سیدنا عبداللہ ابنِ عباس (رضی اللہ عنہما) فرمایا کرتے تھے: "اگر میرے لئے کسی اونٹ کی رسی (بھی) گم ہو جائے تو میں اسے کتاب اللہ میں پالوں گا"۔ (التفسیر والمفسرون للذہبی)

حضرت عبداللہ ابن عباس (رضی اللہ عنہما) سے ہی روایت ہے: "تمام علوم قرآن میں موجود ہیں لیکن لوگوں کی سمجھ کی ان تک رسائی نہیں"۔ (مرقاۃ المفاتیح) لیکن افسوس آج ہم نے قرآنی تعلیمات کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنانے اور "پیکرِ کردار سے قرآن مجسم ہونے" کی بجائے اس کو صرف ثواب تک محدود کرلیا ہے اور قرآن پاک کی فہم سے کوسوں سے دور ہوگئے۔ بلاشبہ اس کے ایک ایک حرف پر دس دس نیکیوں کی بشارت ہے لیکن قرآن کے نزول کا اصل مقصد ہدایت ورہنمائی ہے جو صرف قرآن کریم کو سمجھنے اور اس کے معانی ومطالب کی آگاہی سے حاصل ہوتی ہے۔

ہمارے اسلاف کی ترقی کا راز اس بات میں مضمر ہے کہ انہوں نے اپنی تمام تر توجہ قرآن مقدس کے درس ومطالعہ اور اس کے بحر معانی میں غواصی کرنے کی جانب مبذول کی۔ اسی ضمن میں انہوں نے اپنی فطری صلاحیتوں اور خالص عربی آداب واطوار سے بھرپور فائدہ اٹھایا اور اللہ عزوجل اور اس کے رسول مکرم (ﷺ) کی بندگی وغلامی میں رہ کر اطاعت واتباع کے معیار کو عروج کمال تک پہنچایا اور آنے والی نسلوں کو درس دیا کہ اگر دارین میں کامیاب ہونا ہے تو قرآن مقدس جیسی عظیم کتاب کی فہم وعمل کو اپنے اوپر لازم کرلو۔ آج قرآن کریم پڑھنے والے تو لاکھوں ہیں لیکن اس میں بیان کردہ اصول وضوابط اور تعلیمات وہدایات کو سمجھنے والے بہت کم ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ"

"ہم نے قرآن کو آسان کیا ہے نصیحت حاصل کرنے کے لیے، کیا پس کوئی ہے نصیحت حاصل کرنے والا"۔ (القمر:17)

یہ ایک بدیہی امر ہے کہ قرآنی تعلیمات کی تعمیل قرآن کے فہم وتدبر کے بعد ہی ممکن ہے۔ قرآن پاک جو رشد وہدایت اور جمیع حکمتوں کا ایک بحر بیکراں ہے جب تک ان سے آگاہی حاصل نہ کی جائے تب تک اس کی پیروی کا کوئی امکان نہیں۔ یہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ جب ہم قرآنی الفاظ کے معانی ومطالب کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ علم تفسیر اسی سلسلہ میں معاون ثابت ہوتی ہے۔ قرآن مقدس کو جب تک ہم اپنی زبان اردو میں ترجمہ وتفسیر کی صورت میں نہ سمجھیں گے تب تک ہمیں قرآن مقدس کی حقیقی معانی ومطالب سے آگاہی مشکل امر ہے، اس لئے آج قرآن پاک سے استفادے کے لیے مستند ترجمہ وتفسیر از حد ضرورت ہے۔

ذہنی دباؤ سے بچاؤ

تعلیمات قرآن کی روشنی میں

ڈاکٹر مصباح صغیر
سائیکالوجیکل ریسرچ آفیسر

ابتدائیہ:

ذہنی دباؤ(Depression) دنیا کی تیزی سے پھیلتی ہوئی ایک خطرناک بیماری ہے جو ہر سال دنیا بھر میں تقریباً 280 ملین افراد کو متاثر کرتی ہے-[1] ورلڈ ہیلتھ آرگنائزیشن (WHO) کے مطابق دنیا کی 3.8 فیصد آبادی اس بیماری سے متاثر ہوتی ہے جن میں 5.0 فیصد بالغ اور 5.7 فیصد 60 سال سے زیادہ عمر کے افراد شامل ہیں- ہر سال 7 لاکھ سے زیادہ افراد ذہنی دباؤ کی وجہ سے جان کی بازی ہار جاتے ہیں اور اسی وجہ سے کئی لوگ بالخصوص نوجوان لڑکے لڑکیاں خودکشی کرتے ہیں جو کہ 29-15 سال کے نوجوانوں کی اموات کی چوتھی بڑی وجہ ہے- 2008ء میں ذہنی دباؤ کو تیسری بڑی بیماری قرار دیا گیا تھا اور اس کی بڑھتی ہوئی شرح سے یہ اندازہ لگایا کہ 2030ء تک یہ دنیا کی پہلی بڑی بیماری بن جائے گی-[2]

ذہنی دباؤ کا تصور:

امریکن سائیکیٹرک ایسوسی ایشن (APA) ذہنی دباؤ کی تعریف کچھ اس طرح کرتا ہے کہ:

"Depression is a common and serious medical illness that negatively affects how you feel, the way you think and how you act. Depression causes feelings of sadness and/or a loss of interest in activities you once enjoyed. It can lead to a variety of emotional and physical problems and can decrease your ability to function at work and at home".[3]

"ذہنی دباؤ(Depression) ایک عام اور سنگین طبی بیماری ہے جو آپ کے محسوسات، آپ کے خیالات اور کام کرنے کے طریقہ کار کو منفی طور پر متاثر کرتی ہے- ذہنی دباؤ اداسی کے احساسات یا ان سرگرمیوں میں دلچسپی کے خاتمے کا سبب بنتی ہے جس سے آپ کبھی انتہائی لطف اندوز ہوتے تھے- یہ مختلف قسم کے جذباتی اور جسمانی مسائل کا باعث بھی بن سکتی ہے اور کاروباری اور دیگر گھریلو کام کرنے کی آپ کی صلاحیت کو کم کر سکتی ہے"-

یہ ایک نفسیاتی کیفیت ہے جس میں انسان بے حد اداس، مضمحل(anxious) اور ناامید(hopeless) ہو جاتا ہے- ماہرینِ نفسیات نے ذہنی دباؤ کی نشاندہی کے لئے کچھ علامات بتائی ہیں ضروری نہیں ہر شخص میں ساری علامات موجود ہوں- کم از کم چار علامات دو ہفتوں تک موجود ہوں اور ان کی وجہ سے معمولاتِ زندگی متاثر ہو رہے ہوں تو فرد کو ذہنی دباؤ کا مسئلہ ہے- علامات میں ہر وقت یا زیادہ تر اداس اور افسردہ رہنا، بھوک نہ لگنا، نیند نہ آنا، جسمانی یا ذہنی کمزوری و تھکن ہونا، کسی کام میں دل نہ لگنا، خود کو کم تر سمجھنا اور خود اعتمادی ختم ہونا، ماضی میں ہوئی غلطی کا خود کو مورد الزام ٹھہرانا اور خودکشی کا سوچنا اور عمل کی کوشش کرنا، شامل ہیں-

[1] https://www.washingtonpost.com/health/2022/02/27/depression-worldwide

[2] https://www.who.int/news-room/fact-sheets/detail/depression

[3] https://www.psychiatry.org/patients-families/depression/what-is-depression

خواہ موجبِ بیماری کچھ بھی ہو مثلاً کسی قریب و عزیز کا انتقال، نا قابل تلافی نقصان ہونا، طلاق ہونا یا گھریلو ناچاقی، غیر ضروری خواہشات و توقعات کا پورا نہ ہونا یا اس قسم کے کوئی بھی تجربات کیوں نہ ہوئے ہوں- مندرجہ بالا حادثات میں دکھ، غم یا اداسی کا ہونا ایک فطری اور قدرتی رد عمل ہے، لیکن ہر وقت ہی یاسیت اور غم میں مبتلا رہنا اور معمولات زندگی متاثر ہونا ذہنی دباؤ کو ظاہر کرتا ہے-

علم نفسیات میں ذہنی دباؤ کی وجوہات:

ذہنی دباؤ کی وجوہات بیان کی جائیں تو پہلی وجہ آپ کی شخصیت ہے، اگر آپ کی شخصیت کچھ اس طرح کی بن چکی ہے کہ آپ چھوٹی چھوٹی باتوں پر حد سے زیادہ پریشان ہوتے ہیں، منفی باتوں پر بہت زیادہ غور کرتے ہیں اور آپ کی خود اعتمادی بتدریج کم ہو رہی ہے تو آپ بہت آسانی سے ذہنی دباؤ کا شکار ہو سکتے ہیں-

دوسری وجہ ماحولیاتی عناصر ہیں کہ مسلسل جسمانی یا جنسی تشدد کا شکار ہونا، گھریلو ماحول کا خراب ہونا، مسلسل ناکامیاں، کسی بہت ہی عزیز شخص کی جدائی، والدین یا اپنوں کی غفلت اور معاشی مسائل بھی ذہنی دباؤ کا باعث ہو سکتے ہیں-

تیسری وجہ کیمیائی تبدیلی ہے یعنی آپ کے دماغ کے اہم حصے میں موجود نیوروٹرانسمیٹرز (Neurotransmitters) میں بگاڑ آجاتا ہے جو آپ کے موڈ کو متوازن رکھ رہے ہوتے ہیں-

چوتھی وجہ جینیاتی / موروثی ہے یعنی اگر آپ کے خاندان میں کسی کو ذہنی دباؤ ہو تو پھر آئندہ یا موجودہ نسل میں بھی وراثتی طور پر پایا جا سکتا ہے- مزید برآں اگر کوئی شخص کسی جسمانی سرگرمی میں حصہ نہیں لیتا تو وہ ذہنی دباؤ کا شکار ہو سکتا ہے-

قرآن اور ذہنی دباؤ کے اسباب:

- **روحانی کمزوری**

انسان کو دو بنیادی لازمی حصوں یعنی روح اور جسم کے مرکب کے طور پر پیدا کیا گیا ہے جس میں سے روحانی پہلو انسان کی زندگی میں بہت اہمیت کا حامل ہے، جس کے ذریعے سے انسان کا اپنے خالق و مالک سے رابطہ قائم ہوتا ہے اور وہ اس کی معرفت کے ذریعے اس کا عبدِ کامل بننے کی کوشش کرتا ہے- اگر کوئی شخص اپنے خالق کو جانتا ہے اور اپنی زندگی اللہ کی رضا کے مطابق گزارتا ہے، ایسا شخص خوف، اضطراب اور افسردگی سے مغلوب نہیں ہوگا- اگر وہ غفلت کرتا ہے اور روح کے تقاضوں کو بروئے کار لاتے ہوئے اپنی مالک کی منشا کو پورا نہیں کرتا تو وہ اندرونی بے چینی، اضطراب اور کشمکش کا شکار رہے گا جس کے نتیجے میں ذہنی دباؤ جنم لے سکتا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

"جو میری ہدایت کی پیروی کریں گے ان کو نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ غمناک ہوں گے"-[4]

- **آزمائشیں اور مصیبتیں**

اسلامی نقطہ نظر سے زندگی دراصل آزمائشوں اور مصیبتوں سے نبرد آزما ہونے کا نام ہے- یہاں ہر ایک کو مختلف نوعیت کی آزمائش میں ڈالا جاتا ہے- شیطان کا کام انسانی دماغ کو وسوسوں اور گوناگوں اندیشوں سے بھرنا ہے اور اللہ کی رحمت سے دور و ناامید کرنا ہے- جب انسان کی روحانی طاقت کمزور پڑتی ہے تو شیطان کا وار اور آسان ہو جاتا ہے- وہ ہمیں ہر طرح سے خوف و ناامیدی میں مبتلا کرنے کی کوشش کرتا ہے

قرآن کریم میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"شیطان تمہیں مفلسی کا خوف دلاتا ہے اور بے حیائی کا حکم دیتا ہے اور اللہ تم سے اپنی طرف سے بخشش اور فضل کا وعدہ فرماتا ہے اور اللہ وسعت والا، علم والا ہے"-[5]

جبکہ اس کے برعکس اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو یقین کامل، ایمان باللہ، توکل باللہ اور خود اعتمادی کی طرف بلاتا ہے

[4](البقرۃ:38) [5](البقرۃ:268)

تا کہ انسان روز مرہ کے مسائل سے چھٹکارا پائے اور اعلیٰ مقاصد کے مطابق زندگی بسر کرے-اسی لیے قرآن کریم میں حضور نبی کریم (ﷺ) کی آمد کا مقصدِ عظیم اس طرح بیان فرمایاہے کہ:

"بیشک اللہ نے ایمان والوں پر بڑا احسان فرمایا جب ان میں ایک رسول مَبعوث فرمایا جو انہی میں سے ہے-وہ ان کے سامنے اللہ کی آیتیں تلاوت فرماتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے اگرچہ یہ لوگ اس سے پہلے یقیناً کھلی گمراہی میں پڑے ہوئے تھے"-[6]

لہٰذا! یہ ثابت ہوا کہ قرآن کریم کے مطابق انسانی زندگی کا مقصد ایک عظیم اور روحانی مقصد ہے جس کے لئے اللہ تعالیٰ انسان کو مختلف آزمائشوں اور مصیبتوں سے گزار کر اسے اس عظیم مقصد کو پورا کرنے کیلئے تیار فرماتا ہے جیسا کہ حضرت سعد (رضی اللہ عنہ) روایت کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا:

"یارسول اللہ (ﷺ)!لوگوں میں سب سے زیادہ سخت آزمائش کس کی ہوتی ہے؟ آپ (ﷺ) نے فرمایا: انبیاء کرام (علیہم السلام) کی، پھر درجہ بدرجہ مقربین کی- آدمی کی آزمائش اس کے دینی مقام کے مطابق ہوتی ہے- اگر دین میں مضبوط ہو تو سخت آزمائش ہوتی ہے- اگر دین میں کمزور ہو تو حسبِ دین آزمائش کی جاتی ہے- بندے کے ساتھ یہ آزمائشیں ہمیشہ رہتی ہیں حتیٰ کہ (مصائب پر صبر کی وجہ سے) وہ زمین پر اس طرح چلتا ہے کہ اس پر کوئی گناہ نہیں ہوتا"-[7]

قرآن کریم میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"کیا اس گمان میں ہو کہ جنت میں چلے جاؤ گے اور ابھی تم پر اگلوں کی سی حالت نہ آئی پہنچی وہ سختی اور شدت سے ہلا ڈالے گئے یہاں تک کہ کہہ اٹھا رسول اور اس کے ساتھ ایمان والے، کب آئے گی اللہ کی مدد- سن لو بیشک اللہ کی مدد قریب ہے"-[8]

ان مصائب اور اذیتوں کے بعد انسانی رویے مختلف حصوں میں تقسیم ہو جاتے ہیں-ان میں سے کچھ لوگ ان مصائب سے تنگ آ جاتے ہیں اور خوف و حزن کا شکار ہو جاتے ہیں- اس پر شیطانی وساوس جلتی پر تیل کا کام کرتے ہیں اور آہستہ آہستہ انسان منفی اور بے وجہ کی سوچوں میں گھِر جاتا ہے جو بالآخر ذہنی دباؤ (Depression) کی صورت اختیار کر لیتی ہے-

قرآنی تعلیم کی روشنی میں ذہنی دباؤ سے بچاؤ کا حل:

قرآن کریم ذہنی دباؤ اور اس جیسے دیگر ذہنی و نفسیاتی امراض سے نمٹنے کیلئے ایک منفرد علاج بتاتا ہے جو کہ دو مراحل پر مشتمل ہے- پہلے مرحلے میں ایک فرد میں یقینِ با اللہ پیدا کرنے کیلیے قرآن کریم ایک عام اور خاص دونوں قسم کے انسانوں کیلئے مختلف قسم کی نصیحتیں بیان فرماتا ہے جو کہ نفسیاتی، جذباتی اور عقلی طور پر انسان کو ذہنی دباؤ کے خلاف ایک مضبوط بنیاد فراہم کرتی ہیں اور اسے علاج کے دوسرے مرحلے کیلئے تیار کرتے ہیں جس میں انسان تلاشِ حق میں اسلام کے طریقہ عبادت کے مطابق عملی عبادات کرتا ہے جس سے انسان کا ذہن، قلب اور روح تینوں کی توجہ کا مرکز ذاتِ حق تعالیٰ اس کی خوشنودی بن جاتا ہے اور انسان مصائب اور اذیتوں کو ذہن پر سوار کرنے کی بجائے مردانہ وار ان کا مقابلہ کرتا ہے اور اللہ کی رضا پر راضی رہتا ہے-

---

[6] (آلِ عمران:164)
[7] (الترمذی فی السنن، باب: ماجاء فی الصبر علی البلاء،)
[8] (البقرۃ:214)

ذہنی دباؤ سے بچاؤ کیلئے قرآنی نصائح:

قرآن میں جگہ جگہ ایسے ان گنت واقعات اور نصیحتیں پڑھنے کو ملتی ہیں جو انسان کو بلند حوصلہ اور ہمت فراہم کرتی ہیں- قرآنی فلسفے کا بنیادی منہج جو کہ اللہ تعالیٰ کا ایک انسان سے بنیادی تقاضا بھی ہے، کو قرآنِ کریم میں یوں بیان کیا گیا ہے:

"اور تم ہمت نہ ہارو اور غم نہ کھاؤ، اگر تم ایمان والے ہو تو تم ہی غالب آؤ گے"-[9]

"جان لو! کہ جو اللہ کے دوست ہیں ان کو نہ کچھ خوف ہے اور نہ کوئی غم ہے"-[10]

جب لگ رہا ہو کہ ہمارے لئے کچھ نہیں اس دنیا میں، ہمارا کوئی نہیں جس کو ہماری فکر ہو، جسے ہم سے محبت ہو تو جان لیں ایک عظیم ہستی ایسی بھی ہے جو ہمیں کبھی نہیں بھولتی، جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"اور تمہارا رب (تمہیں) کبھی بھولنے والا نہیں"-[11]

قرآن کریم کے نزدیک خوف و پریشانی ایک فطری عمل ہے جسے اللہ تعالیٰ اپنی ذات پر یقین پیدا کرنے کیلئے استعمال کرتا ہے- انبیاء (علیہم السلام) بھی کچھ وقت کیلئے خوف و پریشانی سے نبرد آزما رہے ہیں حتی کہ ان کو اللہ تعالیٰ پر یقینِ کامل نصیب ہو گیا- جب حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون (علیہما السلام) کو اللہ تعالیٰ نے فرعون کی طرف دعوتِ حق دے کر بھیجا تو انھوں نے کہا کہ:

"اے ہمارے رب! بیشک ہم ڈرتے ہیں کہ وہ ہم پر زیادتی کرے یا شرارت سے پیش آئے"-[12]

اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو اس انجانے خوف سے دور کرنے اور اپنی ذات پر یقین پیدا کرنے کیلئے فرمایا:

"ڈرو نہیں میں تمہارے ساتھ ہوں (اور میں) سنتا اور دیکھتا ہوں"-[13]

ایک انسان کو بنیادی طور پر درج ذیل چیزوں کا خوف و پریشانی لاحق ہوتی ہے جس وجہ سے وہ ذہنی دباؤ جیسے امراض کا شکار ہو جاتا ہے-

غربت و افلاس کا خوف:

مشہور بین الاقوامی جریدہ "سائنس (Science)" کی حالیہ تحقیق کے مطابق دنیا میں بڑھتی ہوئی غربت اور غذائی قلت، جو کہ کورونا وائرس کے اثرات کے بعد مزید بڑھ رہی ہے، انسان کی ذہنی صحت کو بری طرح متاثر کرنے میں پیش پیش ہے- جس کی وجہ سے لوگوں میں ذہنی دباؤ جیسے امراض کا حیران کن حد تک اضافہ ہو رہا ہے-[14] غذائی قلت، غربت و افلاس واقعی مسلّم حقائق ہیں جن سے پردہ پوشی کرنا نا صرف نا ممکن ہے بلکہ مزید پریشانیوں کا باعث بھی بنتا ہے- یہ مسائل انسان کی قوتِ عمل اور قوتِ فکر دونوں کو بروئے کار لانے سے حل ہوتے ہیں- اگر ایک شخص فقط سوچتا رہے کہ ان نامساعد حالات میں وہ کہاں سے کھائے گا اور کس سے مدد طلب کرے گا تو یقیناً ایسی سوچیں اسے عملی اور ذہنی طور پر مفلوج کر دیں گی جس کا نتیجہ ذہنی دباؤ ہے- اسی لیے قرآن کریم انسان کے غربت و افلاس کے خوف دور کرنے کیلئے سب سے پہلے اس میں یقین باللہ پیدا کرتا ہے کہ:

"زمین میں چلنے والا کوئی جاندار ایسا نہیں ہے جس کا رزق اللہ کے ذمے نہ ہو اور جس کے متعلق وہ نہ جانتا ہو کہ کہاں وہ رہتا ہے اور کہاں وہ سونپا جاتا ہے، سب کچھ ایک صاف دفتر میں درج ہے"-[15]

مزید ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ:

"اپنی اولاد کو افلاس کے اندیشے سے قتل نہ کرو ہم انہیں بھی رزق دیں گے اور تمہیں بھی در حقیقت اُن کا قتل ایک بڑی خطا ہے"-[16]

قرآن کریم کا یہ انداز در حقیقت بالکل نفسیاتی اور تجزیاتی ہے جو کہ انسان کی شخصیت کی گہرائیوں میں ہونے

---

[9] (آلِ عمران:139)
[10] (البقرۃ:155)
[11] (المریم:64)
[12] (طٰہٰ:45)
[13] (طٰہٰ:46)
[14] https://www.science.org/doi/10.1126/science.aay0214
[15] (ھود:6)
[16] (الاسراء:31)

والے معاملات کی احسن طریقہ سے نشاندہی کرتا ہے اور اسے ان بے جا سوچوں کے بھنور سے نکالنے کیلئے اس کی فطرت کو اکساتا ہے کہ وہ اللہ پر یقینِ کامل رکھے- جب ایک انسان کو یہ یقین ہوتا ہے کہ اس کی روزی کا ذمہ اس بارگاہِ کامل میں ہے جو کہ کیڑوں کو پتھروں میں رزق دے رہا ہے تو اسے حوصلہ نصیب ہوتا ہے- ایسے شخص کو قرآن پھر قوتِ عمل سے نوازتا ہے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ:

"وہ (اللہ) کسی نعمت کو جو اس نے کسی قوم کو عطا کی ہو اس وقت تک نہیں بدلتا جب تک کہ وہ قوم خود اپنے طرزِ عمل کو نہیں بدل دیتی اللہ سب کچھ سننے اور جاننے والا ہے"-[17]

اس طرح سے ایک انسان اپنی دونوں قوتوں کو ان کی صحیح سمت میں لاتا ہے اور بھرپور محنت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے مزید حوصلہ عطا فرماتا ہے کہ:

"اور جنہوں نے ہماری راہ میں کوشش کی ضرور ہم انہیں اپنے راستے دکھادیں گے اور بیشک اللہ نیکوں کے ساتھ ہے"-[18]

"اس سب کے بدلے ان کے لیے نیک عمل لکھا جاتا ہے بیشک اللہ نیکوں کا اجر ضائع نہیں کرتا"-[19]

جان کا خوف:

ہر دور میں انسان اپنی جان کے تحفظ کیلئے ان گنت کوششیں کرتا چلا آرہا ہے اس کی حفاظت کیلئے انسان بڑے بڑے محفوظ قلعوں اور محلات سے لے کر نت نئے حفاظتی ہتھیار بھی بنا رہا ہے تا کہ دنیا میں کوئی بھی اس کی جان کو نقصان نہ پہنچا سکے- اسی طرح بعض لوگ جان کے تحفظ کو ذہن پر اتنا سوار کر لیتے ہیں کہ وہ موت کے خیال سے ڈرنے لگ جاتے ہیں جسے نفسیات میں Death Anxiety یا Thanatophobia کہا جاتا ہے- امریکی تحقیقی ادارے نیشنل انسٹیٹیوٹ آف ہیلتھ کی تحقیق کے مطابق، Death Anxiety بھی ذہنی دباؤ اور دیگر ذہنی امراض کی ایک اہم وجہ ہے-[20] موت و حیات کی اس کشمکش کو قرآن کریم میں مختلف مقامات پر بڑے منفرد انداز میں پیش کیا گیا ہے جس کا بنیادی مقصد انسان کو موت کے خوف سے نکال کر اس ذاتِ حفیظ کی پناہ میں لانا ہے جو خود موت و فنا سے پاک و منزہ ہے جسے نہ نیند آتی ہے اور نہ اونگھ آتی ہے- قرآنِ کریم اس ہستی لازوال کا تعارف کچھ اس طرح سے کرواتا ہے:

"وہ ذات بابرکت ہے جس کے ہاتھ میں سب حکومت ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے- جس نے موت اور زندگی کو پیدا کیا تاکہ تمہیں آزمائیں کہ تم میں کس کے کام اچھے ہیں اور وہ غالب بخشنے والا ہے"-[21]

"اللہ، وہ زندہ جاوید ہستی، جو تمام کائنات کو سنبھالے ہوئے ہے، اُس کے سوا کوئی خدا نہیں ہے وہ نہ سوتا ہے اور نہ اُسے اونگھ لگتی ہے زمین اور آسمانوں میں جو کچھ ہے، اُسی کا ہے"-[22]

اسی طرح قرآن کریم فلسفہ موت و حیات کو اس طرح پیش کرتا ہے کہ انسان کی اس جہان کی زندگی عارضی ہے جبکہ حقیقی زندگی اخروی زندگی ہے جس کیلئے انسان کو اس جہان میں تیار کیا جا رہا ہے- اسی طرح یہاں کی موت بھی عارضی ہے- یہاں موت کا مطلب ہمیشہ کی موت نہیں بلکہ اس عارضی جہان سے ایک ایسے لازوال جہان میں انتقال ہے جہاں موت کو بھی موت آجائے گی اور انسان کو بقا نصیب ہو جائے گی- لہٰذا ہر ذی رُوح کو اس جہاں میں موت کا ذائقہ لازمی چکھنا ہے اس لیے وہ موت سے ڈرنے کی بجائے بہادری اور اعلیٰ ہمت سے اپنی زندگی گزارے اور جب موت آئے تو مردانگی سے اس کا سامنا کرے- قرآنِ کریم میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

[17] (الانفال:53)
[18] (العنکبوت:69)
[19] (التوبہ:120)
[20] https://pubmed.ncbi.nlm.nih.gov/31318066/
[21] (الملک:2-1)
[22] (البقرۃ:255)

"ہر جان موت کا مزہ چکھنے والی ہے اور تمہیں قیامت کے دن پورے پورے بدلے ملیں گے پھر جو کوئی دوزخ سے دور رکھا گیا اور بہشت میں داخل کیا گیا سو وہ پورا کامیاب ہوا اور دنیا کی زندگی سوائے دھوکے کے سامان کے اور کچھ نہیں"۔[23]

اسی طرح موت کے اٹل اور حتمی ہونے کے بارے میں قرآنِ کریم میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"تم جہاں کہیں ہو موت تمہیں آلے گی اگرچہ مضبوط قلعوں میں ہو"۔[24]

قرآن کریم نے موت کو کوئی ناگہانی حادثہ یا اتفاقی قدرتی عمل نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا طے کردہ نظام بتایا ہے تاکہ انسان کو یقین ہو کہ وہ مرنے کے بعد اپنی پروردگار کی بارگاہ میں جائے گا جو کہ رحیم و کریم ذات ہے- لہٰذا اسے اللہ سے ملنے کی خوشی ہونا کہ انجانی موت کا غم اسے پل پل کھاتا رہے اور وہ زندگی کی نعمت سے بھی لطف اندوز نہ ہو سکے- ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"اپنے بندوں پر وہ پوری قدرت رکھتا ہے اور تم پر نگرانی کرنے والے مقرر کر کے بھیجتا ہے، یہاں تک کہ جب تم میں سے کسی کی موت کا وقت آجاتا ہے تو اس کے بھیجے ہوئے فرشتے اس کی جان نکال لیتے ہیں اور اپنا فرض انجام دینے میں ذرا کوتاہی نہیں کرتے- پھر سب کے سب اللہ، اپنے حقیقی آقا کی طرف واپس لائے جاتے ہیں"۔[25]

موت و حیات کی اس کشمکش کو مفکر قرآن علامہ اقبال یوں بیان کرتے ہیں:

موت کو سمجھے ہیں غافل اختتامِ زندگی
ہے یہ شامِ زندگی، صبحِ دوامِ زندگی

مال اور اولاد کا غم:

جان کے تحفظ کے بعد انسان کو سب سے زیادہ اپنی زیرِ ملک اولاد اور اپنے جمع کیے ہوئے مال کی فکر پریشان رکھتی ہے- وہ جان کے ساتھ ساتھ اپنی اولاد اور اپنے مال کے تحفظ کیلئے بھی کئی حفاظتی اقدامات کرتا ہے اس لیے مال اور اولاد سے متعلق منفی خیالات جن میں ان کے چھن جانے یا کسی نقصان کا اندیشہ شامل ہوتا ہے انسان پر حاوی ہونا شروع ہو جاتے ہیں- اولاد کی حفاظت میں نا صرف ان کی کسی نقصان سے حفاظت بلکہ ان کی اچھی تعلیم، پرورش وغیرہ کی فکر بھی والدین کو لاحق رہتی ہے جس وجہ سے کئی لوگ زیادہ سوچنے اور پریشان رہنے کی وجہ سے ذہنی دباؤ (Depression) کا شکار ہو جاتے ہیں اور اس کا اثر ان کی اولاد پر بھی ہوتا ہے جس وجہ سے یہ بیماری موروثی طور پر اگلی نسل میں بھی منتقل ہوتی ہے-[26]

جبکہ قرآن کریم کے مطابق، اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی مال و اولاد سے متعلق نفسیاتی اور جذباتی بوجھ سے آزاد کرنے کیلئے ان دونوں کو ایک آزمائش کے طور پر پیش کیا ہے- تاکہ انسان ان کو اپنی زندگی کا مقصد سمجھ کر صرف ان کیلئے ہی فکر مند نہ رہے بلکہ وہ اپنی صلاحیتوں اور اپنے مال اور اولاد کو بھی راہِ خدا میں استعمال کرے - کیونکہ قرآنی تعلیمات کے مطابق، ہر شے کا خالق و مالک اللہ تعالیٰ ہے- قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"تمہارے مال اور تمہاری اولاد تو ایک آزمائش ہیں اور اللہ ہی ہے جس کے پاس بڑا اجر ہے"۔[27]

بلکہ ایمان والوں کو مخاطب کر کے اشاد فرمایا:

"اِن کے (کفار و منافقین کے) مال و دولت اور ان کی کثرت اولاد کو دیکھ کر دھوکہ نہ کھاؤ، اللہ تو یہ چاہتا ہے

[23](العمران:185)
[24](النساء:78)
[25](الانعام:62-61)
[26]https://bmcpsychology.biomedcentral.com/articles/10.1186/s40359-021-00568-9
[27](التغابن:15)

کہ اِنہی چیزوں کے ذریعہ سے ان کو دنیا کی زندگی میں بھی مبتلائے عذاب کرے اور یہ جان بھی دیں تو انکار حق (ذاتِ حق تعالیٰ) ہی کی حالت میں دیں"۔[28]

قرآن کریم کے مطابق، مال اور اولاد کے بارے میں طریق ابراہیمی یہ ہے کہ جیسے ابراہیم (علیہ السلام) نے اللہ پاک سے دعا فرمائی:

"اور مجھے اس دن رسوا نہ کر جبکہ سب لوگ زندہ کر کے اٹھائے جائیں گے۔ جس دن مال اور اولاد نفع نہیں دے گی۔ بجز اس کے کہ کوئی شخص قلب سلیم لیے ہوئے اللہ کے حضور حاضر ہو"۔[29]

جبکہ وہ لوگ جو مال اور اولاد کا اللہ پاک کی امانت سمجھتے ہیں ان کا رویہ بیان کرتے ہوئے اللہ پاک نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا ہے کہ:

"وہ لوگ کہ جب انہیں کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو کہتے ہیں ہم (ہمارا مال، اولاد سب کچھ) تو اللہ کے ہیں اور ہم اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں"۔[30]

دراصل ایسے لوگ وہ ہیں جو ہر قسم کے رنج، پریشانی اور خوف سے آزاد ہیں یعنی ہر قسم کی ذہنی اذیت اور ذہنی دباؤ سے دور اور پر سکون ہیں۔

"جو لوگ اپنے مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں پھر خرچ کرنے کے بعد نہ احسان رکھتے ہیں اور نہ ستاتے ہیں انہیں کے لیے اپنے رب کے ہاں ثواب ہے اور ان پر نہ کوئی ڈر ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے"۔[31]

ذہنی دباؤ سے بچاؤ کیلئے قرآنی اعمال:

جب ایک انسان کو اس بات کا کما حقہٗ علم حاصل ہو جائے کہ اس کی جان، مال، اولاد سب کچھ کا مالک اللہ تعالیٰ ہے کائنات کی کوئی شے یا طاقت اللہ کی اجازت کے بغیر اسے نفع و نقصان نہیں پہنچا سکتی ہے اور اگر اسے کوئی مصیبت پہنچتی بھی ہے تو وہ یا اس کے اعمالِ بد کا نتیجہ ہوتا ہے یا پھر اللہ کی طرف سے آزمائش ہوتی ہے تو اس کی طبیعت میں ایک ٹھہراؤ آجاتا ہے اور وہ اللہ کے مزید قریب ہونے کیلئے اس کے بتائے ہوئے طریقوں پر عمل شروع کرتا ہے جس سے نا صرف اسے ذہنی سکون بلکہ قلبی اطمینان نصیب ہوتا ہے۔ ان اعمال میں سب سے اہم درج ذیل ہیں:

اسلامی عبادات:

اسلامی نظامِ عبادت ان اعمال پر مشتمل ہے جن پر عمل کر کے انسان اللہ کا برگزیدہ بندہ اور مخلوق کیلئے باعث خیر و نفع بن جاتا ہے۔ ان پر عمل کرنے سے انسان کی توجہ زندگی کے گوناگوں مسائل کی بجائے رضائے الٰہی کی طرف گامزن ہو جاتی ہے اور توجہ کا یہی رُجحان ذہنی دباؤ کے علاج کا مرکزی نکتہ ہے جسے ماہر نفسیات کئی قسم کی تھیراپی ایکسرسائزز کروا کر حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ نماز اور زکوٰۃ کی ترغیب و افادیت بیان کرتے ہوئے قرآن کریم میں فرامینِ حق تعالیٰ ہیں:

"جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کیے اور نماز کو قائم رکھا اور زکوٰۃ دیتے رہے تو ان کے رب کے ہاں ان کا اجر ہے اور ان پر کوئی خوف نہ ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے"۔[32]

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، صبر اور نماز سے مدد لو اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے"۔[33]

"اور نماز قائم کرو، یقیناً نماز فحش اور بُرے کاموں سے روکتی ہے اور اللہ کا ذکر اس سے بھی زیادہ بڑی چیز ہے اللہ جانتا ہے جو کچھ تم لوگ کرتے ہو"۔[34]

ذکر اللہ: (Meditation)

اگر ہم قرآنی تعلیمات کی روشنی میں جائزہ لیں تو قرآن نے آج سے 1400 سال قبل ذہنی دباؤ کے خاتمہ اور قلبی سکون کا حل بتا دیا، جس کے تحت ذکر اللہ وہ واحد حل ہے جس سے انسان پر سکون رہ سکتا ہے۔ قرآن مجید میں اللہ رب

---

[28] (الانفال:28)
[29] (الشعراء:89-87)
[30] (البقرۃ:156)
[31] (البقرۃ:262)
[32] (البقرۃ:277)
[33] (البقرۃ:153)
[34] (العنکبوت:45)

العزت نے کثیر مقامات پر ذکر کرنے کا حکم فرمایا ہے تاکہ جسم، عقل، دل اور روح کا محور و مرکز ایک بن جائے اور انسان ہمیشہ اطمینان میں رہے- فرمان باری تعالیٰ ہے:

"جو لوگ ایمان لائے ان کے دل اللہ کے ذکر سے مطمئن ہو گئے اور خبردار اللہ کے ذکر سے دلوں کو اطمینان نصیب ہوتا ہے"-[35]

یوں تو ذکر کرنے کے بہت سے طریق ہیں مگر قرآن نے اس کا خوبصورت طریقہ بیان فرمایا ہے- سورۃ الاعراف میں اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

"ذکر کرو اپنے رب کا سانسوں کے ساتھ عاجزی سے خفیہ طریقے سے اور بغیر آواز نکالے صبح شام ذکر کرو اور غافلین میں سے مت بنو"-[36]

اس آیت کریمہ میں سانسوں سے ذکر کرنے کے حکم مبارک کی حکمت کو اگر ہم سمجھیں تو یہ حقیقت عیاں ہوتی ہے کہ سانسوں کا تعلق براہِ راست دل اور روح کے ساتھ ہے-

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

"شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ وہ تمہیں شراب اور جوئے میں لگا کر آپس میں لڑائے جھگڑائے، اور تمہیں نماز اور ذکر اللہ سے روکتا ہے"-[37]

سانس کے ساتھ ذکر کرتے ہوئے جب انسان اپنی توجہ اللہ رب العزت کے اسم مبارک پہ مرکوز رکھ کر ذکر اللہ میں سانس لیتا ہے تو دماغ میں موجود تمام خلفشار ختم ہونے لگتے ہیں اور جب دل تک اس کی تاثیر پہنچتی ہے تو دل میں یقین کامل کی کیفیت بیدار ہو جاتی ہے- یہی وہ طریقہ ہے جس کی انتہا پہ انسان کو اپنے خالقِ حقیقی کا وصال نصیب ہو جاتا ہے اور اس کی زندگی کی کشتی اپنے کنارے پر جا پہنچتی ہے-

حرفِ آخر:

ذہنی دباؤ (Depression) اس وقت دنیا میں تیزی سے بڑھتا ہوا مرض ہے جس کی وجہ سے انسان ذہنی اور نفسیاتی طور پر مفلوج ہوتے جا رہے ہیں- ماہر نفسیات اور ماہرین طب اس مرض سے نبرد آزما ہونے کے لیے دَوا (Medication) اور دُعا (Meditation) دونوں طریقوں کا استعمال کر رہے ہیں- جبکہ قرآن کریم اس مسئلے کو اس کی جڑ سے پکڑتا ہے اور انسان کے باطن میں اتر کر اس کی روح کو اثر انداز کرتا ہے- قرآن اللہ تعالیٰ کے ہر شے کے مالک اور ہر شے پر قادر مطلق ہونے کا یقین دلاتا ہے تو وہ انسان اللہ تعالیٰ کی رضاجوئی کے لیے اس کی عبادت کرتا ہے اور قرآنی طریقہ میڈیٹیشن یعنی ذکر اللہ اور نماز سے مدد لیتے ہوئے اپنے خالقِ حقیقی کی تلاش کرتا ہے- جب اسے اللہ تعالیٰ کی ذات مل جاتی ہے تو وہ دنیا کے تمام مسائل سے چھٹکارا حاصل کر لیتا ہے- لہٰذا قرآن کریم ہمیں یہ سبق دیتا ہے کہ اس پر فتن دور جس میں جسمانی، ذہنی، قلبی اور روحانی سکون تباہ ہو چکا ہے، ہم قرآن کریم کی تعلیمات کو توجہ سے پڑھیں، سمجھیں اور ان پر عمل کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے اپنا تعلق روحانی استوار کریں- وما توفیقی الا باللہ

☆☆☆

[35] (الرعد:28) [36] (الاعراف:205) [37] (المائدہ:19)

مباحثہ و مکالمہ کی مؤثر مہارتیں

مفتی محمد وسیم اختر المدنی
انچارج: شعبہ تخصص فی الفقہ دار العلوم نعیمیہ کراچی

تنوع زندگی کا حسن ہے اور فکری دنیا میں یہ اختلافِ رائے کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے- حدود و قیود کے ساتھ اختلافِ رائے ایک مستحسن امر ہے جس سے فکری بالیدگی پروان چڑھتی ہے اور جمود کی بندشیں دم توڑ دیتی ہیں- دو مختلف الرائے اشخاص کا آپس میں ایک دوسرے کی فکر ظاہر کر کے اپنے نظریہ کو صحیح ثابت کرنے کی کوشش مباحثہ و مکالمہ کہلاتی ہے-

ایمان کا دار و مدار قرآن و حدیث کے بیان کردہ نظریات سو فیصد درست ماننے پر ہے یہاں اختلافِ رائے کی گنجائش نہیں لیکن اس کے باوجود اگر کوئی ان نظریات کو تسلیم نہ کرے اسے بھی احسن انداز میں قائل کرنے کا حکم دیا گیا ہے- اسی طرح جو نظریات مان کر عمل کی راہ سے دور ہو اس کے بارے میں بھی یہی فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

"اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَ الْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ"[1]

"یعنی اپنے رب کی راہ کی طرف بلاؤ پکّی تدبیر اور اچھی نصیحت سے اور ان سے اس طریقہ پر بحث کرو جو سب سے بہتر ہو"-

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ پکی تدبیر سے وہ دلیلِ محکم مراد ہے جو حق کو واضح اور شبہات کو زائل کر دے اور اچھی نصیحت سے ترغیبات و ترہیبات مراد ہیں- یہاں حق کی راہ سے دور لوگوں کو دین کی طرف بلانے کا طریقہ بیان کیا جا رہا ہے، جس کے ضمن میں بحث و مکالمے اور سامنے والے کو اپنے مؤقف کا قائل کرنے کے بہترین طریقہ کار کا بیان بھی ہے-یعنی بحث کا بنیادی اصول یہ قرار پایا کہ آواز بلند کرنے، چیخ پکار مچانے اور دشنام طرازی کی بجائے اُسے احسن انداز سے دلائل سمجھائے جائیں، پیار بھرے انداز سے اُسے نصیحت کی جائے-

آیت کا تعلق دین کے حوالے سے ہے لیکن اس سے دنیا کے کسی بھی معاملے میں بحث و مکالمہ کی رہنمائی مل جاتی ہے کہ مخالف کو ڈنڈوں کے زور پر نہیں منوایا جاسکتا بلکہ نرمی و متانت و سنجیدگی کے ساتھ اُس کے سامنے دلائل رکھے جائیں اگر مان لے فبہا ورنہ بحث و رد و قدح ہو تو اس میں بھی احسن انداز ہو-

دلائل کی بحث میں یہ سمجھنا ضروری ہے کہ منطقی حضرات موادِ اقیسہ یعنی دلائل کی پانچ قسمیں بناتے ہیں: برہان، جدل، خطابت، شعر اور سفسطہ- ان پانچوں کو سمجھنا ضروری ہے تاکہ بحث و مکالمہ میں اپنے اور فریقِ مخالف کے دلائل کا وزن معلوم ہو سکے-

برہان کا مطلب قطعی دلیل جس میں شبہ و تاویل کی قطعاً گنجائش نہ ہو- بحث میں کوشش ہونی چاہیے کہ اپنے موقف پر ایسی ہی کسی دلیل کا انتخاب ہو- لیکن یہ انہی نظریات میں ممکن ہے جن پر قرآن و حدیث کی واضح نصوص ہیں- جدل کا مطلب مشہور اور مسلم قضایا پر مشتمل دلیل- یہ برہان سے کم

[1] (النحل:125)

درجہ کی دلیل ہوتی ہے اس کے بعد خطابت کا درجہ ہے جس کا مطلب ہے ظنی باتوں پر مشتمل دلیل جس میں صدہا احتمالات موجود ہوتے ہیں مثلاً ایک شخص کو دیکھیں جو اندھیری رات کو گلیوں میں گھوم رہا ہو اسے چور سمجھا جائے اور دلیل یہ دی جائے کہ جو رات کو گھومتا ہے وہ چور ہوتا ہے- اس سے ایک عام آدمی تو قائل ہو سکتا ہے لیکن دقیق نظر رکھنے والا انسان اس میں احتمالات کی وجہ سے اس کا انکار کر دے گا- شعر کا مطلب ایسی دلیل جو خیالی دنیا سے تعلق رکھتی ہو مثلاً محبوب کبڑا ہو تو اسے کہنا کہ نرم و نازک ہے پھولوں کے ہار کا وزن بھی برداشت نہ کر سکا اور جھک گیا- فکری دنیا میں ایسے خیالی دلائل کی کوئی حیثیت نہیں- سفسطہ ایسی دلیل ہے جو صورۃً سچی دکھ رہی ہو لیکن حقیقت میں ایسا نہ ہو-

لبرل و ملحدین بحث و مکالمہ کے وقت اسی دلیل کو پیش کر کے زیر کرنے کی کوشش کرتے ہیں جو بظاہر درست دیکھائی دے رہی ہوتی ہے لیکن حقیقت میں کوئی نہ کوئی خامی اُس دلیل کو باطل کر رہی ہوتی ہے- مثلاً کوئی کہے کہ خدا تعالیٰ کسی جہت میں ہے کیونکہ ہر موجود چیز کیلیے جہت ہونا ضروری ہے- سرسری طور پر دیکھا جائے تو یہ بات درست معلوم ہوتی ہے کہ ہر موجود چیز کے لیے جہت ضروری ہے لیکن حقیقت میں ایسا نہیں بلکہ یہ قضیہ صرف محسوسات سے متعلق ہے یہاں غلطی یہ ہے کہ غیر محسوس پر محسوس کا حکم لگایا گیا ہے- اسی طرح کفار کا یہ اعتراض بھی سفسطہ پر مشتمل ہے کہ جس جانور کو تم نے ذبح کر کے موت دی وہ حلال اور جسے اللہ نے مارا وہ حرام؟ اس کا جواب واضح ہے کہ موت دونوں صورتوں میں اللہ تعالیٰ نے ہی دی ہے اور اُسی رب نے بتایا کہ ایک صورت حلال کی ہے اور ایک صورت حرام کی- سفسطہ کی اور کئی وجوہات ہوتی ہیں جو کتبِ منطق میں بالتفصیل مذکور ہیں- ان تمام پر مہارت حاصل کرنا بحث و مکالمے میں انسان کو کامل بنا دیتا ہے-

یہاں تک کی گفتگو کا آسان الفاظ میں یہ خلاصہ بنتا ہے کہ مباحثہ و مکالمہ میں دشنام طرازی اور فریقِ مخالف کو نیچا دکھانا ہرگز مقصود نہ ہو بلکہ اپنے موقف پر دلائل (چاہے وہ برہانی ہو جدلی ہو یا خطابی) احسن انداز میں پیش کر کے اُسے قائل کرنے کی کوشش کی جائے-

موضوع کی مناسبت سے حضور نبی کریم (ﷺ) اور یہودی عالم مالک بن صیف کے درمیان ہونے والا مناظرہ و مکالمہ ملاحظہ ہو- یہود کی ایک جماعت اپنے حبر الاحبار مالک بن صیف کو لے کر سید عالم (ﷺ) سے مجادلہ کرنے آئی- سید عالم (ﷺ) نے اس سے فرمایا: میں تجھے اس پروردگار کی قسم دیتا ہوں جس نے حضرت موسیٰ (علیہ السلام) پر توریت نازل فرمائی، کیا توریت میں تو نے یہ دیکھا ہے "ان اللہ یبغض الحبر السمین" یعنی اللہ کو موٹا عالم مبغوض ہے؟ "کہنے لگا: "ہاں یہ توریت میں ہے، "حضور (ﷺ) نے فرمایا: تو موٹا عالم ہی تو ہے" اس پر غضبناک ہو کر کہنے لگا کہ اللہ نے کسی آدمی پر کچھ نہیں اتارا- اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

"وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ اِذْ قَالُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَيْءٍ ۭ قُلْ مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ الَّذِيْ جَاۗءَ بِهٖ مُوْسٰى"[2]

"اور یہود نے اللہ کی قدر نہ جانی جیسی چاہیے تھی جب بولے اللہ نے کسی آدمی پر کچھ نہیں اتارا تم فرماؤ کس نے اُتاری وہ کتاب جو موسیٰ لائے تھے"-

مالک بن صیف لاجواب ہو گیا اور یہود اس سے برہم ہوئے اور اس کو جھڑکنے لگے اور اس کو حبر کے عہدہ سے معزول کر دیا-

[2] (الانعام:91)

آقا کریم (ﷺ) کی اس مناظرانہ حکمتِ عملی سے کئی فوائد حاصل ہوئے ہوں گے- کتب میں صراحت کے ساتھ فوائد مذکور نہیں لیکن سرسری نظر سے سمجھ آتا ہے کہ اس مناظرہ سے عام یہودیوں کے دلوں میں اپنے احبار (علماء) سے متعلق یہ بات پیدا ہوئی ہو گی کہ یہ لوگ اپنی عزت رکھنے کے لیے جھوٹ بول دیا کرتے ہیں- اس سے احبار کی اندھی تقلید کا رجحان کافی حد تک کم ہوا ہو گا اور لوگ خود تحقیق و جستجو کی طرف بڑھے ہوں گے جس سے ممکن ہے کئی لوگوں نے یہودیت چھوڑ کر اسلام کے دامنِ رحمت میں جگہ لے لی ہو-

قرآن کریم کی سورۃ البقرہ میں حضرت ابراہیم (علیہ السلام) اور نمرود کا مباحثہ بھی موجود ہے جو کتبِ تفاسیر میں ملاحظہ کیا جا سکتا ہے- خلاصہ یہ ہے کہ جب حضرت ابراہیم (علیہ السلام) نے فرمایا کہ میرا رب زندہ کرتا اور مارتا ہے تو اس نے عام آدمی کو پکڑ کر مارنے کو "موت" اور سزائے موت والے قیدی کو آزاد کرنے کو "حیات" سمجھا جبکہ ایسا نہیں تھا- پھر آپ نے اور آسان بات کی کہ میرا رب مشرق سے سورج نکالتا ہے تو مغرب سے نکال دے اس سے وہ مبہوت ہو کر رہ گیا- اس مباحثہ سے معلوم ہوتا ہے کہ موٹی عقل والے آدمی کو آسان سے آسان دلیل پیش کی جانی چاہیے تاکہ مزید بحث در بحث میں الجھنے کے بجائے معاملہ سلجھاؤ کی طرف آ سکے-

حضرت قاضی ابو بکر باقلانی (رحمۃ اللہ علیہ) کے مناظرات و مکالمات کافی مشہور ہیں- ایک مرتبہ آپ ایک بد مذہب سے مناظرہ کرنے آئے تو اُس نے کہا شیطان آ گیا، آپ نے کوئی جواب نہ دیا سکون سے آئے، بیٹھے اور پھر ارشاد فرمایا کہ تم نے مجھے شیطان بولا اور قرآن کریم میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"اَلَمْ تَرَ اَنَّاۤ اَرْسَلْنَا الشَّیٰطِیْنَ عَلَى الْكٰفِرِیْنَ"[3]

"کیا تم نے نہ دیکھا کہ ہم نے شیطان بھیجے کافروں پر"-

اس سے معلوم ہوا کہ بحث و مکالمہ کے لیے حاضر جوابی بھی ضروری ہے- اگر یہ چیز نہ ہو تو سامنے والا چرب زبانی سے غالب آنے کی کوشش کرتا ہے- ایک مشہور مناظر سے فریقِ مخالف نے کہا تم میں اور گدھے میں کتنا فرق ہے؟ انہوں نے ایک رسی لی، ایک سرا خود پکڑا اور دوسرا اُس کے ہاتھ میں دیا اور فرمایا اتنا فرق ہے-

فریقِ مخالف کی ہر بات کا تحقیقی جواب دینا ضروری نہیں بلکہ اگر وہ نہ ماننے والوں میں سے محض بحث برائے بحث کرنا چاہتا ہو تو اولاً ایسے شخص سے بحث کرنے سے ہی گریز کرنا چاہیے- ثانیاً بحث شروع ہو تو تحقیقی کے بجائے الزامی جواب دیے جائیں مثلاً کوئی کہے میلاد النبی (ﷺ) بدعت ہے کیونکہ یہ حضور نبی کریم (ﷺ) کے دور میں موجود نہ تھی- اب اس کے جواب میں بدعت کی تفصیل اور احادیث و نصوص سے اُسے ثابت کرنے کے بجائے یوں کہہ دیا جائے کہ چلہ لگانا بھی بدعت ہے کیونکہ یہ بھی آقا کریم (ﷺ) کے دور میں نہ تھا- اس سے وہ خود کہے گا کہ یہ دینی تبلیغ میں معاون چیز ہے اس لیے اگرچہ صورۃً حضور نبی کریم (ﷺ) کے دورِ اقدس میں موجود نہ تھی لیکن اس کے باوجود جائز ہو گی، یوں وہ خود ایسی باتیں کرنے لگے گا جس سے ہمارا مدعا بھی ثابت ہو جائے گا-

مباحثہ و مکالمہ کے لیے اُس موضوع سے متعلق وسیع علم ہونا بھی ضروری ہے تاکہ دلائلِ برہانی، جدلی اور خطابی پیش کیے جا سکیں اور شعر اور سفسطہ سے کام نہ لینا پڑے- اگر کسی موضوع سے متعلق علم نہ ہو تو بحث و مکالمہ سے معذرت کر لینا ہی بہتر ہے- اگر بحث و مکالمہ ہو بھی تو احسن طریق اور پر مغز مواد پہ مبنی ہو-

☆☆☆

[3] (سورہ مریم:83)

اُردو زبان پر قرآن کریم کے فیوض و برکات

ڈاکٹر محمد اشرف کمال

برصغیر میں بولے جانے والی دیگر زبانوں کی نسبت اُردو ایک جدید اور لچک دار زبان ہے - جس میں دوسری زبانوں سے الفاظ و تراکیب کو اپنانے کا رویہ اور لسانی مزاج خاص اہمیت رکھتا ہے- اردو ہماری قومی زبان ہے جو کہ نہ صرف پاکستان بلکہ دنیا کے بیشتر ممالک میں بولی اور سمجھی جاتی ہے- برصغیر میں جب اردو زبان کا آغاز ہوا تو یک دم اس کی ابتدا اور ترویج و ترقی نہیں ہوگئی بلکہ رفتہ رفتہ اردو زبان کا ارتقا عمل میں آیا- جہاں اردو کے آغاز و ارتقا میں تہذیبی اور لسانی عوامل نے اپنا کردار ادا کیا وہاں قرآن فہمی اور احادیث کی تعلیم و تدریس نے بھی اردو زبان کے فروغ میں کلیدی کردار ادا کیا ہے-

قرآن مجید کی وجہ سے اردو زبان کو جو شان و شوکت اور عظمت ملی اس سے کسی صورت انکار ممکن نہیں ہے- قرآن کریم کے تمام الفاظ اور تراکیب کو اردو میں رسائی ملی بلکہ یوں کہیے کہ اُردو کا پاکیزہ دل ہمیشہ فیوض و برکاتِ قرآنی کیلئے کشادہ رہا- قرآن کریم کی تعلیمات کو اردو میں ڈھالا گیا جس کی وجہ سے ہر پڑھا لکھا قرآن کو اردو میں سمجھنے اور پڑھنے کے قابل ہو گیا-

مسلمانوں نے اردو زبان کو اس لیے بھی اہمیت دی کہ اس کا رسم الخط فارسی سے عبارت ہے جو کہ فارسی نے عربی سے لیا ہے- اردو زبان کے لیے ناگری رسم الخط کی بجائے عربی رسم الخط اسی لیے پسند کیا گیا کہ مسلمان اس میں قرآن کریم کا مطالعہ آسانی سے کر سکتے ہیں گویا اس رسم الخط کا اردو کیلئے انتخاب بھی قرآن کریم ہی کی نسبت سے ہوا- یوں مسلمانوں نے اردو کو مذہبی تعلیمات کے لیے چنا اور قرآن کریم کے تراجم کا سلسلہ شروع ہوا-

نہ صرف اردو میں قرآن مجید کے تراجم نے اسے عام لوگوں کے لیے قابل توجہ بنایا بلکہ قرآن مجید کی تفاسیر بھی اردو میں لکھی گئیں جس سے دینی اور علمی حوالے سے اُردو زبان کو عام لوگوں کے ساتھ ساتھ مذہبی اکابرین اور علمی رویہ رکھنے والے اسکالروں نے بھی اردو زبان کی ترقی اور فروغ کے لیے راستہ ہموار کیا- یوں اردو زبان میں دینی حوالے سے ایسا قیمتی سرمایہ جمع ہو گیا جو آنے والے وقت میں اسے قومی زبان بننے میں نہایت مددگار اور ممد ثابت ہوا-

ان تراجم سے اردو کا ذخیرہ لفظی بھی بڑھا اور علمی اصطلاحات بھی عربی سے اردو میں منتقل ہوئیں- مختلف علمی تصورات اور نظریات کا بھی اضافہ ہوا- اگر ہم اردو لغات کا جائزہ لیں تو ان میں الفاظ کی ایک بڑی تعداد کو تلاش کیا جا سکتا ہے جو قرآن مجید کے متن سے تعلق رکھتے ہیں-

قرآن مجید جس زبان میں نازل ہوا ہے وہ عام زبان نہیں ہے بلکہ یہ ایک فصیح و بلیغ زبان ہے- جس کی وجہ سے ہمیشہ اس بات کی ضرورت محسوس کی جاتی رہی ہے کہ قرآن مجید کی تفہیم اور تدریس کے لیے نئے اور جدید سے جدید رویّے اختیار کیے جائیں -اس کے ایک ایک لفظ میں علم و دانائی کا وہ خزانہ چھپا ہوا ہے جس نے نہ صرف عربی زبان بلکہ ہر اس زبان کو مزید وسعت بخشی ہے جس میں اسے سمجھنے اور پڑھنے کی کوشش کی گئی ہے-

اردو زبان میں ایک خاص بات یہ بھی ہے کہ یہ بڑے سے بڑے لسانی رموز اور علمی انکشافات کو کھول کھول کر بیان کرنے کی پوری اہلیت و قابلیت رکھتی ہے- یہ کسی بھی زاویے اور انداز سے ایک محدود زبان نہیں ہے اگر کوئی لفظ ایسا ہو جس کی تشریح اردو کے کسی لفظ میں ممکن نہ ہو تو یہ اس لفظ کو ہی اپنانے اور قومیانے کی صلاحیت اور تجربہ رکھتی ہے- اسی لیے اردو کو عربی کے بعد دوسری زبان سمجھا جاتا ہے جس میں قرآن مجید کو سمجھنے اور اس کے مطالب و معانی کی تشریح کیلیے زیادہ لفظی ہیر پھیر یا لسانی و لفظی تبدیلی کی ضرورت پیش نہیں آتی- اس کے مصوتے اور مصمتے کسی بھی طرح عربی کے صوتی آہنگ سے دور یا متضاد نہیں ہیں- عربی زبان کے تمام فونیم کو اردو میں بکمالِ مہارت استعمال کیا جاسکتا ہے اور کیا جاتا رہا ہے- اردو جاننے اور بولنے والا قرآن مجید کی قرأت میں اسی قدر مہارت حاصل کر سکتا ہے جتنا کہ ایک عربی بولنے والا اس میں مہارت دکھا سکتا ہے- یہ صرف اسی وجہ سے ممکن ہے کہ اردو کا رسم الخط، صوتی نظام اور مزاج عربی زبان اور قرآن سے بڑی حد تک مناسبت اور مطابقت رکھتا ہے- اردو زبان کے حرکات و سکنات اور اعراب کا نظام بھی وہی ہے جو کہ عربی زبان کا ہے- ان دونوں زبانوں میں کہیں بھی ٹکراؤ یا تضاد کی کیفیت نہیں پائی جاتی-

اردو زبان کو اپنی ابتدا ہی سے قرآن کی ترویج اور اس کی اشاعت کی خدمات سرانجام دینے کا موقع میسر آیا اور یہ کام کسی بھی دور میں رکا نہیں اور نہ ہی کسی دور میں تعطل کا شکار ہوا کیونکہ قرآن کا علم ایک ایسا بحر ذخار ہے جس کی کوئی تحدید نہیں- یہ ایک ایسا علم و معانی اور مطالب و توضیحات کا سمندر ہے جس کا کنارا ناپید ہے-

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

"هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ"[1]

"یہ قرآن لوگوں کے لیے واضح بیان ہے اور ہدایت ہے اور پرہیز گاروں کے لیے نصیحت ہے"-

اسی ہدایت اور نصیحت کو سمجھنے اور عام لوگوں تک پہنچانے کے لیے جو کہ عربی نہیں جانتے، اسے اردو زبان میں ترجمہ کرنے کی ضرورت کو سمجھا گیا-

"لَقَدْ كَانَ فِيْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ ؕ مَا كَانَ حَدِيْثًا يُّفْتَرٰى وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ"[2]

"بے شک ان کے قصوں میں سمجھداروں کیلیے عبرت ہے، یہ (قرآن) ایسا کلام نہیں جو گھڑ لیا جائے بلکہ (یہ تو) ان (آسمانی کتابوں) کی تصدیق ہے جو اس سے پہلے (نازل ہوئی) ہیں اور ہر چیز کی تفصیل ہے اور ہدایت ہے اور رحمت ہے، اس قوم کیلئے جو ایمان لے آئے"-

اردو میں قرآن کریم کے تراجم کے حوالے سے باقاعدہ طور پر فورٹ ولیم کالج کے تحت کاوشیں سامنے آئیں-

اردو میں خاص طور پر حمد نگاری، نعت نگاری، سلام نگاری، مرثیہ نگاری، منقبت نگاری، مولود ناموں اور معراج ناموں کے حوالے سے اردو شعراء نے بے شمار عربی الفاظ اور لسانی روایات کو عمدگی سے اردو زبان میں منتقل کیا ہے- جس کی وجہ سے نہ صرف لفظی و معنوی حوالے سے بلکہ موضوعات کے حوالے سے بھی اردو کے سرمائے میں قابلِ قدر اضافہ ہوا ہے-

بہت سے اردو شعراء نے اسلامی شعائر کو اردو میں پیش کیا- مرزا دبیر نے حضور نبی کریم (ﷺ) کی معراج کو ایک طویل مثنوی میں بیان کیا، اس کا ایک شعر دیکھئے:

---

[1] (آلِ عمران:138)
[2] (الیوسف:111)

گنہ میرے بخش اے غفور الرحیم
کرم کر کرم اے خدائے کریم

ایک اور جگہ حمد باری کے بعد مرزا دبیر نعت کے اشعار میں لکھتے ہیں:

شھد اللہ علی صدقِ رسول العربی
رحمہ للہ علیٰ آل واولاد نبی
بعد حمد احدِ پاک لکھوں نعت رسول
کون وہ شہر علوم احدی باب بتول[3]

اردو میں صوفیانہ شاعری کا آغاز خواجہ میر درد کی شاعری سے ہوتا ہے انہوں نے مجازی عشق کو چھوڑ کر عشق حقیقی کی جانب قدم بڑھایا- میر حسن کی رموز العارفین ہو یا قائم چاند پوری کی مثنوی "رمز الصلوۃ" ہو، ان کی بنیاد میں قرآنی اور دینی تعلیمات کا اثر نمایاں ہے- حالی کی مثنوی مسدس حالی جہاں مسلمانوں کی ناگفتہ بہ حالت کی ترجمانی کرتی ہے وہیں اس میں دینی حوالے سے بھی واقعات ملتے ہیں-

صوفیائے کرام کے بعد ایک اہم کاوش قرآن حکیم کے اردو تراجم کے حوالے سے ہے- اس بارے میں شاہ مراد اللہ انصاری سنبھلی، شاہ رفیع الدین (1788ء) اور شاہ عبد القادر (1790ء) "موضح القرآن" کے نام سر فہرست ہیں، یہ پہلا با محاورہ ترجمہ تھا- جنہوں نے اردو میں تراجم پیش کر کے اردو زبان کو ایک نیا وقار اور شناخت عطا کی-

شاہ رفیع الدین (1776ء) کے ترجمے کو بے محاورہ، لفظی اور دشوار قرار دیا گیا مگر شاہ عبد القادر کا ترجمہ جو 1795ء میں ہوا اپنے پیشرو ترجمے کے مقابلے میں ادائے فہم، صفائی اور اختصار کے لحاظ سے بہتر ہے- اٹھارہویں صدی کے اواخر میں قاضی بدرالدولہ نے بھی قرآن مجید کا ترجمہ اور تفسیر لکھی-[4]

اگر ہم اردو شاعری کی زبان کا مقابلہ شاہ عبد القادر کے ترجمے کی نثر سے کریں تو ہمیں ترجمے کی خوبصورتی اور تاثیر واضح طور پر نظر آئے گی- یہ اس بات کی علامت ہے کہ اس زمانے کی اردو نے عربی کے وسیع مفہوم اور معانی کے سمندر کو اپنے کمزور اور شرمیلے قالب میں سمیٹنے کی کوشش کی تھی اور اس میں کامیاب بھی ہوئی تھی-[5]

اردو میں قرآن مجید کے منظوم تراجم کا آغاز بھی بہت پہلے ہو گیا تھا- "زاد الآخرۃ" کے نام سے مولوی قاضی عبد السلام بدایونی نے 1828ء میں قرآن کریم کی منظوم تفسیر پیش کی جسے مطبع نولکشور نے دو جلدوں میں شائع کیا-[6]

فورٹ ولیم کالج کے تحت مولوی امانت اللہ شیدا اور حکیم شریف خان دہلوی نے بھی قرآن کریم کا ترجمہ کیا- سر سید احمد خاں، ڈپٹی نذیر احمد، مرزا حیرت دہلوی، شیخ محمود الحسن اسیر مالٹا اور امام احمد رضا خان اعلیٰحضرت بریلوی نے کنز الایمان کے نام سے 1911ء میں ترجمہ کیا- ڈاکٹر طاہر القادری، مفتی تقی عثمانی، مولانا سید صفدر حسین نجفی، کے علاوہ تمام مکاتبِ فکر کے بہت سے علماء نے قرآن کے تراجم اور تفاسیر پیش کیں-[7]

برصغیر میں مذہب کے عملی پہلوؤں کیلئے تفسیر، حدیث اور فقہ کے حوالے سے اردو زبان کو منتخب کیا جانے لگا-

تراجم کے بعد تفسیر کا کام شروع ہوا تو شاہ مراد اللہ انصاری سنبھلی نے سب سے پہلے پارہ عم کی تفسیر "تفسیر مرادیہ" 1771ء میں لکھی-[8]

اردو شاعری میں قرآنی آیات اور تعلیمات کو یوں خوبصورتی سے پیش کیا گیا ہے کہ نہ صرف شعر و ادب میں

---

[3](شفقت رضوی، مرزا دبیر کا نعتیہ کلام، مشمولہ نعت رنگ کراچی، شمارہ نمبر 25، اگست 2015ء، ص:661)
[4](نثار احمد قریشی، ڈاکٹر (مرتب)، ترجمہ: روایت اور فن، اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان، 1885ء، ص:5)
[5](ایضاً)
[6](حمید شطارہ، سید، قرآن مجید کے اردو تراجم وتفاسیر کا تنقیدی مطالعہ، 2914ء، تک، حیدرآباد دکن، ناشر سید حمید شطاری، 1982ء، ص:386)
[7](قرآن کریم کی فہرست https://ur.wikipedia.org/wiki/)
[8](جمیل جالبی، ڈاکٹر، تاریخ ادب اردو، جلد دوم، حصہ دوم، لاہور، مجلس ترقی ادب، 1982ء، ص:1044)

روحانی اور صوفیانہ رویے نے ایک نیا جنم لیا ہے بلکہ اردو زبان میں بھی لسانی حوالے سے بہت وسعت پیدا ہوئی-

اردو کے ابتدائی اور ارتقائی منازل کے حوالے سے صوفیائے کرام کی کاوشوں کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا جنہوں نے اردو اور مقامی زبانوں میں قرآن اور اس کی تعلیمات لوگوں تک پہنچانے کا سلسلہ شروع کیا- ان صوفیائے کرام کے رسائل اور ملفوظات قرآنی اور اسلامی ادب کے حوالے سے اولین نقوش ہیں جن کا مطالعہ ہم اردو زبان کے ابتدائی دور میں کرسکتے ہیں- ''معراج العاشقین'' خواجہ بندہ نواز گیسو دراز کی لکھی ہوئی وہ کتاب جسے اردو میں نثر کی پہلی کتاب قرار دیا جاتا ہے- یعنی اسے ہم اردو زبان میں دین اسلام اور قرآنی تعلیمات پر مبنی پہلی کتاب قرار دے سکتے ہیں-

اردو شاعری میں ایک طرف تو حمد و نعت نگاری کا سلسلہ بڑی ذوق و شوق سے جاری ہے دوسری طرف شعرائے کرام نے قرآن مجید کو بھی اپنے اپنے انداز میں مختلف بحروں کو استعمال میں لاتے ہوئے منظوم تراجم کے ساتھ پیش کیا- جس سے نہ صرف قرآن مجید کی تفہیم اور ترویج میں آسانی اور اضافہ ہوا، بلکہ اس کی وجہ سے اردو شاعری کا دامن بھی وسیع ہوا- شاہ عالم کے عہد کے معروف عالم اور شاعر غلام مرتضیٰ جنون الٰہ آبادی کو اردو میں قرآن مجید کا پہلا منظوم ترجمہ نگار کہا جاتا ہے جنہوں نے 1780 میں تیسویں پارے کی منظوم تفسیر لکھی جو کہ بعد ازاں ''تفسیر مرتضوی'' کے نام سے کلکتہ سے شائع ہوئی-

شعراء کی ایک کثیر تعداد نے جس طرح قرآنی سورتوں کو منظوم انداز میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کی ہے، یہ رویہ تعلیمی، علمی، تدریسی اور روحانی حوالے سے بھی قومی زبان کی ترقی کے امکانات میں اضافے کا باعث بنا اور اس سے قومی زبان اردو کے علمی و ادبی ذخیرے میں بھی وسیع پیمانے پر نئے امکانات پیدا ہوئے- یہ اقدام قومی زبان میں اردو شاعری کے وقار اور امتیاز کا موجب بھی بنا-

مولانا الطاف حسین حالی نے مسدس مدوجزر اسلام میں اسلامی تعلیمات اور قرآن کے پیغام کو بھی موضوع بنایا:

یہ پہلا سبق تھا کتابِ ہدیٰ کا
کہ ہے ساری مخلوق کنبہ خدا کا
وہی دوست ہے خالق دو سرا کا
خلائق سے ہے جس کو رشتہ وِلا کا
یہی ہے عبادت یہی دین و ایماں
کہ کام آئے دنیا میں انساں کے انساں

حکیم الامت حضرت علامہ محمد اقبال نے قرآن مجید کو اپنے نظریات کا سرچشمہ اور فکر کا محور بنایا اور اپنی شاعری میں قرآن مجید کو زندہ کتاب قرار دیا- ایک ایسی کتاب جس کا متن کبھی تبدیل نہیں ہونا اور جس کی تعلیمات اور رہنمائی کے فیوض و برکات ابدی ہیں- بقول علامہ محمد اقبال:

حرم پاک بھی اللہ بھی قرآن بھی ایک
کچھ بڑی بات تھی ہوتے جو مسلمان بھی ایک

علامہ محمد اقبال نے اردو شاعری میں کئی قرآنی آیات کی طرف اشارہ کیا ہے- علامہ اقبال کی نظمیں شکوہ اور جواب شکوہ اس حوالے سے اہمیت کی حامل ہیں- مزید علامہ اقبالؒ نے اس مادی اور سرمایہ دارانہ اور اخلاقی حوالے سے بیمار دور میں ہمارے تمام مسائل کے حل کے لیے قرآن مجید سے مکمل اور جامع استفادے کا مشورہ دیا- قرآن مجید کا جامع فہم اور اس کی تعلیمات پر سختی سے عمل درآمد ہی ہمارے لیے نجات اور سرخروئی کے دروازے کھول سکتا ہے-

جانتا ہوں میں یہ امت حامل قرآں نہیں
ہے وہی سرمایہ داری بندہ مومن کا دیں
قرآن میں ہو غوطہ زن، اے مردِ مسلماں
اللہ کرے تجھ کو عطا جدتِ کردار

قرآن کریم کا موضوع انسان اور انسانی سماج ہے-اس میں حیات اور مابعد حیات کا جو تصور ملتا ہے وہ کسی اور کتاب میں موجود نہیں ہے- قرآن مجید زندگی کے تمام شعبہ جات کا احاطہ کرتا ہے اور ان کے حوالے سے متوازن اور مناسب رہنمائی پیش کرتا ہے-یہ ایک زندگی گزرنے کا مکمل اور خوبصورت ترین لائحۂ عمل ہے -جو انسان کو نہ صرف اپنے بارے میں بلکہ پوری کائنات کے حوالے سے سوچنے کی دعوت دیتا ہے-

قرآن مجید کی وساطت اور فیض کی بدولت فن قرأت کے علاوہ اردو میں جو علوم سامنے آئے ان میں علم معانی، علم خطاطی، علم النحو، علم البیان، علم التفسیر، علم حساب، علم الاخلاق، علم الاعراب، علم الفرائض، علم المواقیت، علم اللسان، علم ترجمہ، علم اصول، علم تدوین، علم التاریخ، علم الاشارات و تصوف، علم فلکیات، علم کائنات، علم بشر، علم تعبیر الرویا اور علم الہندسہ کے ساتھ دیگر کئی علوم کی وجہ سے اردو کو فصیح و بلیغ زبان بننے میں آسانی ہوئی-

قرآن مجید کی زبان فصیح و بلیغ ہے-اسی لیے اردو زبان عربی رسم الخط اور عربی الفاظ کی وجہ سے بہت تیزی کے ساتھ برصغیر کی دیگر زبانوں کی نسبت زیادہ جلدی اپنی ابتدائی اور ارتقائی منازل طے کرتی چلی گئی-

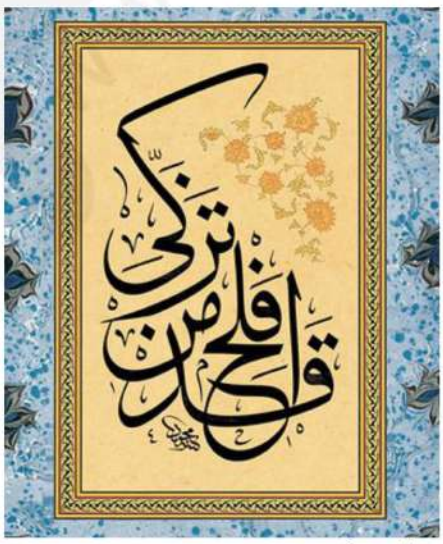

اردو میں قرآن کریم کے جب مطالب اور معانی کے حوالے سے تفاسیر لکھی جانے لگیں تو اس زبان میں علوم کا ایک بحر ذخار وجود میں آتا چلا گیا جس نے اردو زبان کو لسانی حوالے سے وہ کمال عطا کیا کہ یہ زبان جلد ہی ایک ترقی یافتہ اور معیاری زبان کی حیثیت اختیار کرتی چلی گئی اور اردو زبان کو جامع الکلام بننے میں اس سے بڑے مدد ملی-کیونکہ قرآن کریم کے موضوعات میں وسعت ہے اور یہ مختلف جہات میں الفاظ اور ان کے معانی روشن بیانیوں کی صورت میں زبان اور اسلوب بیان کو نئے امکانات سے روشناس کراتے ہیں-زبان میں نئی نئی اصطلاحات کا اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے-

"بیشتر انبیاء و رسل کے غیر عربی ناموں جیسے غیر عربی الفاظ کا استعمال اس قرآنی اصول کو ثابت کرتا ہے کہ کوئی بھی زبان تبھی زندہ، توانا اور ترقی یافتہ بن سکتی ہے جب اس میں وقت کے ساتھ دوسری زبانوں کے الفاظ ہم مزاج بنا کر شامل کیے جاتے رہیں-اس سے جغرافیائی طور پر دور دراز واقع لوگ اور اقوام قریب آئیں گی بلکہ ان میں محبت و مودّت بھی بڑھے گی- محمد اسلام نشتر اپنے مضمون "قرآن کا تصور قومی زبان" میں لکھتے ہیں:

"اردو کا خمیر عربی سے اٹھا ہے- اردو کی تخلیق و تشکیل میں عربی کا بلاواسطہ اور بالواسطہ، ہر دو طرح، حصہ رہا ہے- بلاواسطہ کیچ مکران اور دیبل کے راستے عربوں کی ہندوستان سے تجارت اور پھر محمد بن قاسم کے حملے کے بعد آمد اسلام جبکہ وسطی ایشیا اور ایران کے راستے فارسی کے اثرات سے اردو کا بالواسطہ متاثر ہونا-اردو من حیث التخلیق اسلامی زبان ہے کیونکہ عربی اور فارسی تو اسلام سے پہلے بھی موجود تھیں مگر اردو نے برصغیر پاک و ہند میں اسلام کے طفیل عربی سے جنم لیا اور فارسی کی گود میں پرورش پائی ہے- اس لحاظ سے اردو دنیا کی واحد غیر عرب زبان ہے جو اگر عربی نہیں تو عجمی بھی نہیں ہے- گویا اہل اردو عربوں کے دعویٰ کے مطابق عجمی یعنی گونگے نہیں ہیں- اردو ہمارا رابطہ براہ راست اسلام یعنی قرآنی عربی سے جوڑ دیتی ہے- دوسرے، یہ کہ اردو دنیا بھر کے واحد ملک پاکستان، کی فطری، قومی اور آئینی زبان ہے جو پاکستان کے قیام سے قبل ہی برصغیر پاک و ہند کی زبان عامہ یعنی لینگوافرانکا کے مقام پر فائز ہو چکی تھی- یہ بعد ازاں تحریک پاکستان میں اپنے عربی فارسی رسم الخط کی وجہ سے "دو قومی نظریہ" کی اہم بنیاد بنی اور برصغیر کے مسلمانوں کی لسانی شناخت ثابت ہوئی- تیسرے، اردو پاکستانی قوم کی بلاشرکت غیرے قومی زبان کے درجے پر فائز ہے جو ملک کے

طول و عرض میں رابطے کا بڑا ذریعہ ہے- پاکستان کی تمام علاقائی زبانیں اور بولیاں اردو کی حلیف اور معاون زبانیں ہیں اور یہ اُن کی حلیف اور معاون زبان ہے- اِن کے مابین محبت و مودّت کا فطری رشتہ پایا جاتا ہے- خوش قسمتی سے تمام پاکستانی زبانوں کا رسم الخط بھی عربی فارسی ہے جو انہیں یک جان دو قالب بناتا ہے"-[9]

عربی کی وجہ سے نماز روزہ حج زکوۃ توحید رسالت، عبادات، معاملات، عقد، نکاح، غزوات، اخلاق حسنہ، احادیث، کے حوالے سے اتنا بڑا ذخیرہ اردو میں شامل ہوا جو کہ قرآن ہی کی دین ہے- اردو ادب میں قرآنی قصوں حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کا قصہ، حضرت یوسف (علیہ السلام) کا قصہ، حضرت نوح (علیہ السلام) کا قصہ، حضرت آدم و اماں حوا (علیہما السلام) کا قصہ، غارِ حرا، اصحاب کہف، اصحاب فیل، ہاروت ماروت وغیرہ قرآن کریم اور اسلام کی وجہ سے اردو زبان کا حصہ بنے- بچوں کے نام بھی قرآن سے تلاش کر کے رکھے جانے لگے-

ڈپٹی نذیر احمد کا ترجمہ قرآن بھی انیسویں صدی میں سامنے آیا- اسی طرح اردو میں قرآنی محاورات کی وجہ سے بڑی فصاحت اور بلاغت پیدا ہوئی- مثلاً: بسم اللہ کرنا، من وسلویٰ اترنا، توشۂ آخرت، عزت وذلت اللہ کے ہاتھ میں ہے، کلام کرنا، الٹے پاؤں پھرنا، ڈھیل دینا، نوشتۂ تقدیر، آنکھوں کی ٹھنڈک، الم نشرح / شرحِ صدر ہونا، دلوں پر تالے پڑ جانا، سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن جانا، توبۃ النصوح، نظر ثانی کرنا، کانوں میں انگلیاں دے لینا، قل ہونا، قل آعوذی، بیعت کرنا، دلوں پر قفل لگنا، مزہ چکھنا، دلوں پر مہر لگ جانا، عقل کے اندھے، آفت مول لینا، کان پھوٹ جانا، بیج بونا، تاریکی سے روشنی میں لانا، جیسی کرنی ویسی بھرنی، جیسے کو تیسا، اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑنا، شبہ پڑنا، دلوں کا پاک ہونا، ہوا اکھڑ جانا، آنکھوں کا پھوٹ بہنا، زمین تنگ ہونا، کان پھوٹنا جیسے بے شمار محاورات ہمیں ملتے ہیں جنہوں نے اردو زبان کے دامن کو وسیع کیا-

بزبانِ اسیر لکھنوی:

ڈر گئے میرے نالوں سے موذن ایسے
انگلیاں کانوں میں ہنگامِ اذاں رکھتے ہیں

بزبانِ حفیظ جالندھری:

یہی وہ قوم ہے جس کے لیے نعمت کے مینہ برسے
کہ اترے من وسلویٰ ان کی خاطر آسمانوں سے

بزبانِ درد کاکوروی:

سب عظمتیں اس کی نہاں
ہیں فاذکرونی سے عیاں
ہے جس کا اَذکُرکُم بیاں
اللہ کا میں بھید ہوں[10]

بزبانِ اکبر الہ آبادی:

جو حکم وَاعتصمو ہم کو ہے بحبل اللہ
بتایئے کہ کہاں ہے وہ حبل عالم میں

بزبانِ عبد العزیز خالد:

پیام جس کا ہے وَاعتصموا بحبل اللہ
کیا دماغ و دلِ منفعل کو جس نے بہم

بزبانِ امجد حیدر آبادی:

انسان سمجھتا ہے کہ میں بھی کچھ ہوں
نادان سمجھتا ہے کہ میں بھی کچھ ہوں
لا حول ولا قوۃ الا باللہ
شیطان سمجھتا ہے کہ میں بھی کچھ ہوں

عربی الفاظ اور قرآنی آیات شاعری کی مختلف اصناف میں بکثرت ملتی ہیں-

امجد حیدر آبادی کی لکھی ہوئی یہ نظم "نبی جی کی لوری" کا طرزِ کلام ملاحظہ کیجئے:

آمنہ بی بی کے گلشن میں آئی ہے تازہ بہار
پڑھتے ہیں صل اللہ وسلم آج در و دیوار

[9](https://nlpd.gov.pk/IlmOFun2/IF_2.html)

[10](شمیم نگہت، اردو میں قرآنی محاورات، مقالہ پی ایچ ڈی اردو، سندھ یونیورسٹی، ص:170)

نبی جی اللہ اللہ اللہ ھو لا الہ الا ھو[11]

بزبانِ عزیز لکھنوی:

یہ سبحان الذی اسریٰ بعبدہ سے ہوا ظاہر
کہ تھی منظورِ حق کس درجہ ان کی عزت افزائی

اردو زبان میں جب عربی زبان کے الفاظ اور خاص طور پر قرآنی تعلیمات کا بیان ہونے لگا تو اس کی وجہ سے اردو زبان مسلمانان ہند کے دلوں میں گھر کرتی چلی گئی- اردو نے قرآن سے رشتہ جوڑا تو اس میں قرآنی تلمیحات بھی اردو زبان کے سرمائے میں شامل ہو گئیں- جن میں آدم و حوا، اخوان یوسف، حجر اسود، شق القمر، غارِ حرا، شداد، نمرود، اصحاب فیل، لن ترانی اور صور اسرافیل وغیرہ قابل ذکر ہیں-

"اسلامی اعتقادات اردو میں شامل ہوئے تو اس کی وجہ سے ایک ایسی صلاحیت پیدا ہو گئی جس کا کسی اور طرح سے وجود میں آنا آسان نہ تھا"-[12]

اقبال کے کلام میں ان تمام شخصیات کا ذکر ملتا ہے جن کا ذکر قرآن میں آیا ہے- اقبال کی ساری فکر انگیزی قرآن کے رشتۂ صافی کی مرہون منت ہے اور نہ صرف یہ کہ اقبال نے مشاہدۂ حیات میں صرف قرآن کی ان ابدی صداقتوں اور بنیادی قدروں کو سامنے رکھا جو ہمیشہ سے انسانیت کی تعمیر تہذیب کرتی آئی ہیں بلکہ اقبال کا ادب و فن بھی قرآنی فن و ادب کا خوشہ چیں ہے- ہمیں جہاں اقبال کے کلام میں درد، سوز، حرارت اور تپش نظر آتی ہے وہیں فکر کی روشنی، منطقی استدلال، فلسفیانہ انداز اور اقبال و خرد کے چراغ جلتے نظر آتے ہیں- قرآن کا ادبی اسلوب بھی یہی ہے-[13]

جس کی نومیدی سے ہو سوزِ دُرونِ کائنات
اُس کے حق میں 'تقنطوا' اچھا ہے یا 'لاتقنطوا'؟

الحکم اللہ، الست، الفقر فخری، الم، الم الکتاب، بسم اللہ، تقنطو، لاتقنطو، حرم، حور، خلق عظیم، رحمٰن، رفعنا لک ذکرک، سدرہ، سلسبیلا، شمس، علم الاسما، شرابً طہورا، قلبِ سلیم، قلِ العفو، قُم، قل ھو اللہ، کن فیکون، لات و منات، لاتخف، لاتذر، لاشریک لہ، لا الہ الا اللہ، وغیرہ کثیر تعداد میں استعمال کیے گئے ہیں-

وہ رمز شوق کہ پوشیدہ لا الہ میں ہے
طریق شیخ فقیہانہ ہو تو کیا کہیئے![14]

بزبانِ علامہ محمد اقبال:

خدائے لم یزل کا دستِ قدرت تو زباں تو ہے
یقیں پیدا کر اے غافل کہ مغلوبِ گماں تو ہے

اکبر الہ آبادی کی شاعری میں بھی قرآنی الفاظ و تلمیحات کا ذکر ملتا ہے:

جھکتا نہیں بندہ کسی بد خواہ کے آگے
کیا غم ہے توکلت علی اللہ کے آگے[15]

امام احمد رضا خاںؒ نے "حدائق بخشش" میں بے شمار قرآنی تلمیحات کو پیش کر کے قرآنی تعلیمات کو اردو زبان میں یوں پیش کیا ہے-

"و رفعنا لك ذكرك" کا ہے سایہ تجھ پر
بول بالا ہے تیرا ذکر ہے اونچا تیرا

مختلف شعرائے کرام نے مختلف اوقات میں قرآن مجید کی سورتوں کا منظوم اردو ترجمہ کرنے کا کام شروع کیا جس کی وجہ سے ایسی بہت سی نظمیں اردو زبان کا حصہ بن گئیں جن میں قرآنی متن اور مطالب کا خاص اہتمام کیا گیا ہے-

اس بات میں کوئی دو رائے نہیں کہ اردو زبان کو قرآنی تعلیمات نے وہ ذخیرۂ لفظی اور تشریح و تفسیر کا خزانہ عطا کیا جس نے اردو زبان کے فروغ اور اس کی ترقی میں اہم کردار ادا کیا ہے-

☆☆☆

[11](اردو نعت کی شعری روایت، مرتبہ صبیح رحمانی، کراچی، اکادمی بازیافت، 2016ء، ص:85)
[12](اعجاز حسین 'ڈاکٹر مذہب اور شاعری، کراچی، اردو اکیڈمی سندھ، 1955ء، ص:100)
[13](محمد بدیع الزماں، اقبال شاعر قرآن، امبیڈکر نگر ضلع ٹانڈہ، دانش بکڈپو، 1997ء، ص:23)
[14](محمد بدیع الزماں، اقبال کے کلام میں قرآنی تلمیحات اور قرآنی آیات کے منظوم ترجمے، امبیڈکر نگر ضلع ٹانڈہ، دانش بکڈپو، 1995ء)
[15](اکبر الہ آبادی، کلیات اکبر، مرتبہ محمد نواز چودھری، لاہور، مکتبہ شعر و ادب، ص:259)

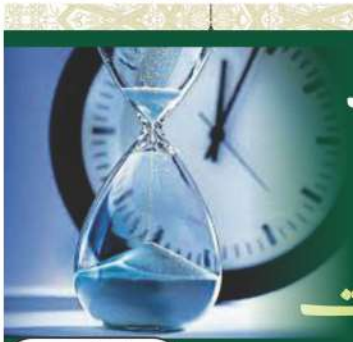

وقت شناسی و تنظیمِ وقت کا جدید تصور اور قرآنِ مجید کی تعلیمات

حافظ محمد شہباز عزیز

از روئے قرآن ربّ ذوالجلال کی نعمتوں کا شمار ممکن نہیں- وقت (Time) اللہ تعالیٰ کی ایک عظیم نعمت اور انسان کا سب سے قیمتی و نفیس ترین سرمایہ ہے جس کی حفاظت کا انسان کو پابند بنایا گیا ہے- وقت امیر و غریب، شاہ و گدا، دینی و لادینی غرض سب کیلئے یکساں ہے- انسانی تاریخ میں وقت کے متعلق کئی طرح کے تصورات و نظریات پائے جاتے ہیں- مذہب، سائنس، ادب، آرٹ اور فلسفے میں وقت کو دیکھنے، سمجھنے اور برتنے کا اپنا ایک الگ انداز اور طریقہ کار ہے- وقت کے بارے میں سائنس دانوں کے ایک بڑے طبقے خاص طور پر نیوٹن کا نظریہ ہے کہ یہ ماضی سے مستقبل کی طرف رواں ہے- بدھ ازم اور ہندو ازم میں اسے کال چکر یا پہیے کی طرح سے ایک دائرے میں گھومتا ہوا بتایا گیا ہے-[1] عیسائی ماہرینِ الٰہیات کا خیال ہے کہ وقت ایک خطی (Liner) شئے ہے- بائبل میں لکھا ہے کہ ہر چیز کا ایک موسم ہے اور افلاک کے نیچے ہر مقصد کیلئے ایک وقت مقرر ہے-[2] وقت (زمانے) کے متعلق اسلام کا ہی نقطہ نظر ماضی، حال اور مستقبل سب کی بھرپور رعایت کرتا ہے- یہ ہمہ گیری یا ہمہ جہتی اسلام کے علاوہ کسی بھی مذہب یا دھرم میں نہیں ملے گی-[3]

سیدنا حضرت امام حسن بصری (رحمۃ اللہ علیہ) کا ارشاد ہے:

"اے ابنِ آدم! تو ایام ہی کا مجموعہ ہے، جب ایک دن گزر جائے تو یوں سمجھ کہ تیرا ایک حصہ بھی گزر گیا"-[4]

سیدنا حضرت امام شافعی (رحمۃ اللہ علیہ) فرماتے ہیں:

"ایک مدت تک میں صوفیاء کرام کے پاس رہا، ان کی صحبت سے مجھے علم ہوا کہ: وقت تلوار کی مانند ہے آپ اس کو (کسی عمل میں) کاٹئے ورنہ (حسرتوں میں مشغول کرکے) وہ آپ کو کاٹ ڈالے گا"-

مشہور عربی ضرب المثل ہے "**الوقت من ذھب**" کہ وقت سونا ہے لیکن اربابِ دانش و بینش کے نزدیک وقت محض سونا ہی نہیں بلکہ وہ کہتے ہیں "**الوقت ھو الحیات**" کہ وقت زندگی ہے- حکیم الاُمّت فرماتے ہیں:

این و آن پیداست از رفتار وقت
زندگی سریست از اسرار وقت[5]

"یہ اور وہ (دن اور رات) وقت کی گردش کا کرشمہ ہے بلکہ زندگی، وقت کے بھیدوں میں سے ایک بھید ہے"-

یہ ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ وقت کی قدر کیے بغیر کوئی بھی قوم کامیابی و ترقی کی شاہراہ پر گامزن نہیں ہوسکتی- چونکہ افراد سے ہی معاشرہ یا قوم تشکیل پاتی ہے اس لئے قوموں کے زوال اور قوموں میں قحط الرّجال کی پہلی علامت یہ ہے کہ اس قوم کے افراد نعمتِ وقت کی بے قدری کا شکار ہو جائیں- البتہ جو قوم نعمتِ وقت کی جتنی زیادہ قدر کرتی ہے تقدیر اس پر اسی قدر مہربان ٹھہرتی ہے- فاطرِ ہستی کا ازل سے یہی دستور چلا آرہا ہے اور انبیاء و رسل کی تعلیمات، سلف صالحین کے پند و نصائح، تاریخ کے پیچ و خم، صدیوں کا تجربہ ہمیں یہی سکھاتا ہے کہ جن قوموں اور تہذیبوں نے وقت کی

---

[1] (فکشن کے نظام میں وقت کا تصور، پروفیسر ابو بکر عباد، شعبہ اردو، دہلی یونیورسٹی)

[2] https://www.islamreligion.com/articles/4155/value-of-time/

[3] علامہ یوسف القرضاوی، الوقت فی حیاۃ المسلم

[4] (ابن الحسن عباسی، متاعِ وقت اور کاروانِ علم، ص: 55، مکتبہ عمر فاروق، شاہ فیصل کالونی کراچی)

[5] (اسرارِ خودی)

قدر کی اور وقت شناسی کی روایت کو کبھی ہاتھ سے نہ جانے دیا آج اوراقِ تاریخ میں ان کا نام امر ہے- حقیقت تو یہ ہے کہ وقت کا ضیاع قوموں اور تہذیبوں کی تباہی کا موجب ہے- کامیاب قوموں کے نزدیک "کل" بہت بڑا دھوکہ ہے اس لیے وہ امروز (آج) کو ہی مستقبل (فردا) کا معمار سمجھتے ہیں-

کسی نے دوش دیکھا ہے نہ فردا
فقط امروز ہے تیرا زمانہ

البتہ ضیاعِ وقت ایک ایسا جرم ہے جس کی سزا خود وقت دیتا ہے:

وقت برباد کرنے والوں کو
وقت برباد کر کے چھوڑے گا[6]

اسے جرمِ ضعیفی کی سزا کہیے یا بربادی کا پیغام کہ موجودہ دور، بالخصوص مسلم معاشرے میں وقت جیسی نعمت کی بے قدری وضیاع کی روش زور پکڑ رہی ہے- جسے دیکھ کر بادی النظر میں ایسا ہی لگتا ہے کہ اب مسلم معاشرے میں وقت کی قدر دانی وحد درجہ اہتمام کا چراغ گل ہونے کو ہے- جبکہ یورپی و مغربی معاشرہ اپنی تمام تر خامیوں، روحانی ضعف اور مادیت پرستی کے باجود وقت کا قدر دان ہے اور یہی اس کی ترقی کا راز ہے- حالانکہ تاریخ اس امر کی شاہد ہے کہ وقت کی قدر شناسی اور وقت کی پابندی مسلمِ تہذیب کی شناخت اور ہمارے سلف صالحین، علماء و حکماء اور صوفیاء کا خاصہ رہا ہے جسے وہ کسی بھی قیمت پر کھونے کو تیار نہ تھے- معروف مصری سکالر ڈاکٹر یوسف القرضاوی نے قرونِ اولیٰ کے اسلامی معاشرے کی عکاسی کرتے ہوئے لکھا ہے:

"قرونِ اولیٰ کے مسلمان اپنے اوقات کے سلسلے میں اتنے حریص تھے کہ ان کی یہ حرص ان کے بعد کے لوگوں کی درہم و دینار کی حرص سے بھی بڑھی ہوئی تھی- وقت کی حرص کے سبب ان کیلئے علمِ نافع، عمل صالح، جہاد اور فتح مبین کا حصول ممکن ہوا اور اسی کے نتیجے میں وہ تہذیب وجود میں آئی جس کی جڑیں انتہائی گہری ہیں اور جس کی شاخیں چہار جانب پھیلی ہوئی ہیں- پھر میں آج کی دنیا میں مسلمانوں کے ساتھ رہتے ہوئے دیکھ رہا ہوں کہ وہ کس طرح اپنے اوقات کو ضائع کر رہے ہیں اور اپنی عمریں لٹا رہے ہیں- یہی سبب ہے کہ وہ آج قافلہ انسانیت کے پچھلے حصے میں دھکیل دیے گئے ہیں"-

حضرت عمرو بن میمون اودیؒ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (ﷺ) نے ایک آدمی کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

"پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں سے پہلے غنیمت سمجھو (1) اپنی جوانی کو اپنے بڑھاپے سے پہلے، (2) اپنی صحت کو اپنے مرض سے پہلے، (3) اپنے مال دار ہونے کو اپنی محتاجی سے پہلے، (4) اپنی فراغت کو اپنی مصروفیت سے پہلے اور (5) اپنی زندگی کو اپنی موت سے پہلے"-[7]

"حلیۃ الاولیاء" میں ابو نعیم احمد بن عبد اللہ اصفہانی رقم طراز ہیں:

"حضرت امام شافعیؒ نے اپنے لیے باقاعدہ شب و روز کا نظام الاوقات (Time Table) قائم کر رکھا تھا- آپ اس نظام الاوقات کے سخت پابند تھے- آپ نے رات کے تین حصے کیے ہوئے تھے- پہلا حصہ علم کیلئے، دوسرا عبادت کیلئے اور تیسرا آرام کیلئے مقرر تھا"-[8]

امام شمس الدین ذہبی نے "تذکرۃ الحفاظ" میں خطیب بغدادی کے متعلق لکھا ہے کہ:

"وہ راہ چلتے بھی مطالعہ کرتے تھے تاکہ آنے جانے کا وقت ضائع نہ ہو"-[9]

مذکورہ چند مثالوں سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ ہمارے اسلاف نہ صرف وقت کی اہمیت اور قدر و قیمت سے آشنا تھے بلکہ اپنے معمولات زندگی میں تنظیمِ اوقات کا خاص خیال

[6] https://www.rekhta.org/couplets/vaqt-barbaad-karne-vaalon-ko-divakar-rahi-couplets?lang=ur

[7] (مشکوۃ المصابیح، کتاب الرقاق)

[8] (ابن الحسن عباسی، متاعِ وقت اور کاروانِ علم، ص:56، مکتبہ عمر فاروق، شاہ فیصل کالونی کراچی)

[9] (ایضاً)

رکھتے تھے تاکہ ایک لمحہ بھی ضائع نہ ہونے پائے-اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ان کی پابندی نظام الاوقات ضرب المثل ہے-

تنظیمِ وقت (Time Management) کی تعریف اور اہمیت وافادیت:

جدید مینجمنٹ مسائل میں ایک اہم مسئلہ تنظیمِ وقت (ٹائم مینجمنٹ) کا بھی ہے-خاص طور پر بزنس و کاروبار اور دیگر پیشہ ورانہ شعبہ جات سے وابستہ افراد کو اکثر شکوہ رہتا ہے کہ ہمارے پاس وقت بہت کم ہے جس کی وجہ تنظیمِ وقت کی عادت کو نہ اپنانا یا کاموں کیلئے وقت کی صحیح منصوبہ بندی نہ کرنا ہے-اپنے نظامِ اوقات کو متوازن و منظم کرنے کیلئے وقت کی دانشمندی سے تنظیم اور استعمال ضروری ہے- تنظیم وقت ایک طرح سے خود کو منظم عمل کے سانچے میں ڈھالنے اور تقسیمِ کار کا مؤثر طریقہ ہے- تنظیم وقت سے جہاں اور بہت سے فوائد حاصل ہوتے ہیں وہاں ایک بڑا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ مختلف النوع سرگرمیوں میں نہ صرف تصادم کا اندیشہ دم توڑ جاتا ہے بلکہ مؤثر کارکردگی اور تخلیقی صلاحیت بھی بڑھتی ہے- اس کے برعکس تنظیمِ وقت کے بغیر ہم نہ صرف اپنی ذمہ داریوں اور فرائضِ منصبی کی تکمیل میں ناکام رہتے ہیں بلکہ وقت ہوتے ہوئے بھی سست روی و تاخیر اور ٹال مٹول کی عادت اپنا لیتے ہیں-انگریزی اصطلاح میں اسے "Procrastination" کہا جاتا ہے-روز مرہ کی مخصوص سرگرمیوں میں ضیاعِ وقت سے بچنے کیلئے وقت کو قابو میں رکھنے کی تدبیر کو تنظیمِ وقت کا نام دیا گیا ہے-

By oath of this era of yours O dear Prophet Mohammed – peace and blessings be upon him). Indeed man is surely in a loss. Except those who accepted faith, and did good deeds and urged one another to the truth –and urged one another to have patience.

"Time Management is the process of planning and exercising conscious control of time spent on specific activities, especially to increase effectiveness, efficiency, and productivity".

"تنظیمِ وقت مخصوص سرگرمیوں میں صرف ہونے والے وقت کی منصوبہ بندی اور بالخصوص مؤثریت، کارگردگی اور اہلیتِ کار کو بڑھانے کیلئے وقت پر شعوری طور پہ قابو پانے کا عمل ہے"-[10]

وقت کے بہترین اور منظم استعمال کیلئے تنظیمِ وقت کا تصور کئی دہائیوں سے پریکٹس کیا جارہا ہے- دورِ جدید میں کاروباری مراکز پر تنظیمِ وقت (Time Management) نے باقاعدہ ایک فن کی حیثیت اختیار کرلی ہے اور تعلیم و تربیت میں تنظیمِ وقت پر بہت زیادہ زور دیا جاتا ہے- تنظیمِ وقت کا موضوع بزنس ایڈمنسٹریشن میں باقاعدہ نصاب کے طور پر پڑھایا جاتا ہے- اسی طرح دنیا کے بہت سے تعلیمی و تنظیمی ادارے اس پر باقاعدہ کورسز کروارہے ہیں جن میں لوگوں کو تنظیمِ وقت کی مؤثر مہارتیں، تکنیک، ٹولز اور طریقِ کار کی تعلیم دی جاتی ہے-اس کے علاوہ جدید مینجمنٹ ماہرین اور محققین نے تنظیمِ وقت کی افادیت اور تنظیمِ وقت کے جدید طریقہ کار کا نہ صرف مختلف جہات سے مطالعہ کیا اور اس پر کتب کی صورت میں اپنی آراء و تجزیات پیش کیے ہیں بلکہ پیشہ ورانہ سرگرمیوں سے وابستہ افراد کو اس بات پر قائل بھی کیا ہے کہ تنظیمِ وقت ایک بہترین فن ہے جسے منظم زندگی کیلئے سیکھنا چاہیے-

جدید لٹریچر میں ٹائم مینجمنٹ کے لیے درج ذیل چند اہم اور مؤثر سکلز تجویز کیے گئے ہیں:

- ترجیحات و مقاصد کا تعین
- غیر ترجیحاتی سرگرمیوں میں صرف ہونے والے وقت کا خاتمہ
- مقاصد و اہداف کا نفاذ
- فرائض و ذمہ داریوں کا اطلاق
- مؤثر منصوبہ بندی

[10] https://www.griet.ac.in/cls/Time%20management-4%20(1).pdf

جدید مینجمنٹ کے بانی پیٹر ایف ڈرکر (Peter Ferdinand Drucker) نے خوبصورت الفاظ میں ٹائم مینجمنٹ کی اہمیت بیان کی ہے:

"Time is the scarcest resource and unless it is managed, nothing else can be managed[11] ".

"وقت سب سے نایاب وسیلہ ہے اور جب تک اسے منظم نہ کیا جائے تو کچھ بھی منظم نہیں ہو سکتا"۔

مزید کہتا ہے:

"Time management means the management of self. How can one manage the time of others of one cannot manage oneself[12] "?

"تنظیمِ وقت کا مطلب خود کو منظم کرنا ہے۔کوئی دوسروں کے وقت کو کیسے منظم کر سکتا ہے جب تک وہ خود کو منظم نہیں کر سکتا؟"

یہ حقیقت بیان کی جاتی ہے کہ:

"وہ لوگ جو اپنے وقت کا خیال (وقت کا منظم و صحیح استعمال) رکھتے ہیں وہی لوگ اپنی شخصی و پیشہ ورانہ زندگی میں عظیم کامیابیاں حاصل کرتے ہیں۔اس کے برعکس کامیابیوں کی پرواہ نہ کرنے والے وہ لوگ ہیں جو وقت کو بہت کم اہمیت دیتے ہیں"۔[13]

الغرض! بہت حد تک انسان کی کامیابی و مقدر کا دائرہ وقت کے صحیح استعمال کے گرد گھومتا ہے اس لیے ایک منظم و متوازن زندگی گزارنے اور تمام شعبہ ہائے زندگی میں کامیابی و ترقی کے لئے تنظیمِ وقت بنیادی شرط ہے۔

اسلام میں وقت کی قدردانی اور تنظیمِ وقت کی حیرت انگیز اہمیت و مؤثریت:

وقت دنیا و آخرت دونوں میں انسان کے ساتھ منسلک ہے۔وقت کا موضوع اسلامی تعلیمات میں اہم اور مستقل حیثیت رکھتا ہے۔اسلام نے وقت کی اہمیت کو خوب اجاگر کیا ہے۔ قرآن مجید اور سنتِ خاتم المرسلین (ﷺ) اس پر بین دلیل ہے کہ اسلام وقت کو ایک بہت ہی قیمتی ذریعہ سمجھتا ہے اور اسلام نے حیاتِ انسانی کے ہر شعبے میں توازن اور نظم و ضبط قائم رکھنے کیلئے تنظیمِ اوقات کو اہم ترین امور میں گردانا ہے۔ خاتم النبیین حضرت محمد مصطفٰے (ﷺ) نے 1400 سال قبل ہی اہلِ ایمان کو اسلام کے پانچ بنیادی ارکان (ہر ایک کیلئے خاص وقت معین ہے) کی تعلیم دے کر اسلام میں تنظیمِ وقت کا تصور واضح کر دیا تھا۔ اسی طرح قرآن مجید میں جہاں مومنین کو بارہا مرتبہ وقت شناسی، وقت سے باخبر رہنے اور اسے دانشمندی سے منظّم کرنے کی تاکید کی گئی ہے وہیں بہ کثرت یاد دلایا گیا ہے کہ دنیا دارِ فانی ہے، موت کا وقت مقرر ہے، کب فرشتہ اجل آجائے کیا خبر، اس لیے لازم ہے کہ زندگی کے اصل مقصود (اطاعتِ الٰہی و اطاعتِ رسول (ﷺ)) کو پانے کیلئے وقت کی قدر کی جائے۔

وقت کی اہمیت، قدر شناسی اور تنظیمِ وقت کا قرآنی تصور:

اسلام نے حیاتِ انسانی کیلئے جو راہیں متعین کی ہیں اس کی بنیاد قرآن مجید ہے۔ ایک بہت گہرے معنی میں قرآن اسلام ہے اور اسلام قرآن ہے۔[14] قرآن مجید نے کئی لحاظ سے وقت کی بے پایاں اہمیت، وقت شناسی اور تنظیمِ اوقات کی طرف انسان کی توجہ مبذول کروائی ہے۔

قرآن کریم وقت کا آفاقی تصور پیش کرتا ہے:

قران میں وقت کا تصور اس لحاظ سے بے حد دلچسپ اور فکر انگیز ہے کہ قرآن وقت کے زمانی تصور کے بجائے وقت کے آفاقی تصور کا نظریہ پیش کرتا ہے۔ یا یوں کہیے کہ یہ ماضی کو ماضی نہیں، حال کی صورت دیکھنے کی تلقین کرتا ہے۔ مثلاً قران میں جگہ جگہ یوں مخاطب کیا گیا ہے: اور یاد کرو عیسیٰ ابن مریمؑ کو، سیدنا موسیٰؑ کے حوالے سے کہتا ہے اور یاد کرو جب

---

[11] https://growthreading.com/peter-drucker-time-management/

[12] https://www.muslimlibrary.com/dl/books/English_Time_management_from_Islamic_and_Administrative_perspective.pdf

[13] (ایضاً)

[14] (ساچیکو مراتا/ ولیم سی چیٹک، اسلام اپنی نگاہ میں، مترجم: محمد سہیل عمر)

سمندر کو ہم نے پھاڑ دیا، اور اس وقت کو یاد کرو جب ہم نے تمہیں فرعون کے لوگوں سے رہائی دی، یہاں تک کہ بنی نوع انسان کی تخلیق سے بھی پہلے کے واقعہ کو بھی اس طرح زمانۂ حال کا حصہ بناتا ہے۔[15]

وقت عطائے رب ذوالجلال ہے:

قرآن کریم نے وقت کو انسان کیلئے اللہ رب العزت کا عظیم عطیہ قرار دیا ہے۔ دن رات (وقت) اور سورج و چاند کو انسان کے فائدے، ضروریات اور امورِ زندگی کی تکمیل اور انجام دہی کیلئے تابع کر دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَائِبَيْنِ ۖ وَسَخَّرَ لَكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ"[16]

"اور تمہارے لیے سورج اور چاند مسخر کیے جو برابر چل رہے ہیں اور تمہارے لیے رات اور دن مسخر کیے"۔

قسم کھا کر وقت کی اہمیت اجاگر کرنا:

وقت کی اہمیت کا تذکرہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے متعدد مکی سورتوں کے آغاز میں اس کی قسمیں کھائی ہیں، مثلاً: وَاللَّيْلِ (قسم ہے رات کی)، وَالنَّهَارِ (قسم ہے دن کی)، وَالضُّحَىٰ (قسم ہے چاشت کے وقت کی)، وَالْفَجْرِ (قسم ہے فجر کی)، وَالْعَصْرِ (قسم ہے زمانے کی)۔ یہ بات مفسرین اور علمائے کرام کے نزدیک معروف ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے کسی چیز کی قسمیں کھاتا ہے تو صرف اس لیے کہ لوگوں کو اس کی طرف متوجہ کرے اور اس کے عظیم فوائد اور اثرات سے آگاہ کرے۔[17] مثلاً "سورہ العصر" میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"وَالْعَصْرِ ۝ إِنَّ الْإِنسَانَ لَفِي خُسْرٍ ۝ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ"

"زمانہ کی قسم، بیشک ہر انسان ضرور نقصان میں ہے، سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے اور انہوں نے ایک دوسرے کو دینِ حق کی وصیت کی اور ایک دوسرے کو صبر کی نصیحت کی"۔

یہاں خالقِ کائنات نے وقت کی قسم کھا کر انسانی زندگی میں وقت کو کامیابی و ناکامی کا پیمانہ قرار دیا ہے۔ ایمان، اعمالِ صالحہ اور حق و صبر کی وصیت عصر / وقت کا بہترین مصرف اور کامیابی کا زینہ ہے، انہیں ترک کرنا یعنی عصر / وقت کا صحیح استعمال نہ کرنا خسارا ہی خسارا ہے۔

نظمِ کائنات سے تنظیمِ وقت کا سبق:

نظامِ کائنات پر غور کیا جائے تو یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ کائنات کا تمام تر نظم و ضبط وقت کی پابندی اور باقاعدگی پر قائم ہے۔ گردشِ لیل و نہار، سورج کا طلوع و غروب ہونا، ستاروں سیاروں کی حرکت سب کے متعین اوقات ہیں جن میں کبھی کوئی بے ترتیبی و خلل واقع نہیں ہوا۔ مثلاً اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

"لَا الشَّمْسُ يَنبَغِي لَهَا أَن تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا اللَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ۚ وَكُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ"[18]

"نہ سورج کی یہ مجال کہ وہ (اپنا مدار چھوڑ کر) چاند کو جا پکڑے اور نہ رات ہی دن سے پہلے نمودار ہو سکتی ہے، اور سب (ستارے اور سیارے) اپنے (اپنے) مدار میں حرکت پذیر ہیں"۔

"إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَآيَاتٍ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ"[19]

"بیشک آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں اور شب و روز کی گردش میں عقل والوں کے لئے (اللہ کی قدرت کی) نشانیاں ہیں"۔

ان آیات میں انسان کو اس بات پہ اُکسایا گیا ہے وہ نظمِ قدرت اور تغیرِ اوقات پر غور کرتے ہوئے اپنے معمولاتِ زندگی میں وقت کو اسی طرح منظم کرے۔

---

[15] (فکشن کے نظام میں وقت کا تصور، پروفیسر ابو بکر عباد، شعبہ اردو، دہلی یونیورسٹی)
[16] (ابراہیم:33)
[17] (علامہ یوسف القرضاوی، الوقت فی حیاۃ المسلم)
[18] (یس:40)
[19] (آل عمران:190)

کام کاج اور استراحت کا متعین وقت:

قرآن مجید کہتا ہے:

"وَّجَعَلْنَا اللَّيْلَ لِبَاسًا ○ وَّجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا"[20]

"اور رات کو پردہ پوش کیا، اور دن کو روزگار کیلیے بنایا"-

ایک اور مقام پر ارشاد ہوا:

"وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ اللَّيْلَ لِبَاسًا وَالنَّوْمَ سُبَاتًا وَجَعَلَ النَّهَارَ نُشُورًا"[21]

"اور وہی ہے جس نے رات کو تمہارے لیے پردہ کیا اور نیند کو آرام اور دن بنایا اٹھنے کے لیے"-

قرآن کریم کی پُر حکمت و پُر مغز مذکورہ آیات کا انسان کی روزمرہ کی زندگی سے بہت گہرا تعلق ہے- غور کیا جائے تو مؤثر ٹائم مینجمنٹ انہیں آیات کے گرد گھومتی ہے- یہاں دو باتیں بڑی واضح ہیں کہ دن ذریعہ معاش (کاروبار و تجارت اور دیگر مشاغل و مصروفیات) اور رات آرام (نیند) کیلئے مختص ہے- یہی چیز عموماً طبی و نفسیاتی ماہرین بیان کرتے ہیں کہ انسان کو رات کی نیند لینی چاہیے اور دن کو اپنی مصروفیاتِ زندگی کیلئے وقف کرنا چاہیے کیونکہ رات کی نیند انسانی صحت کو برقرار رکھنے اور معمولاتِ زندگی کی بہتری میں معاون ہوتی ہے جبکہ دن کو دیر تک سوئے رہنے سے انسان جہاں سستی و کاہلی اور صحت کی خرابی کا شکار ہوتا ہے وہیں انسان کے نظامِ اوقات میں بھی خلل واقع ہوتا ہے جس کے نتیجے میں وہ کوئی کام بھی ڈھنگ سے انجام نہیں دے پاتا- اس کے برعکس صبح جلدی بیدار ہونا زندگی اور کام اور صحت میں خیر و برکت کا باعث ہے اسی لیے آقا پاک (ﷺ) نے بھی ایک حدیث میں اپنی امت کے سحر خیز ہونے اور دن میں برکت کی دعا فرمائی ہے- 2014ء میں ایک امریکن ریسرچ جرنل 'Emotion' کے تحقیقی سروے کے مطابق صبح سویرے بیدار ہونے والے لوگ عموماً رات دیر تک جاگنے والوں (Night Owls) کی نسبت زیادہ پُر مسرت، صحت مند اور جذباتی طور پر مستحکم محسوس کرتے ہیں- مزید کامیاب اور دانا لوگوں کا آزمودہ مقولہ ہے کہ کامیابی سحر خیزی کی عادت اپنائے بغیر ہاتھ نہیں آتی بلکہ زندگی میں سحر خیز آدمی ہی کوئی عظیم کارنامہ انجام دے سکتا ہے- حکیم الاُمّت بھی یہی گرہ کشائی کرتے ہیں:

عطّار ہو، رومی ہو، رازی ہو، غزالی ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہِ سحَر گاہی

بنجامین فرینکلن (Benjamin Franklin) کا مشہور قول ہے:

"Early to bed, early to rise, makes a man healthy, wealthy and wise".

"رات کو جلدی سونا اور صبح جلدی اٹھنا انسان کو صحت مند، دولت مند اور عقلمند بناتا ہے"-

موجودہ دور میں تنظیمِ وقت کی انتہائی موثر مہارتوں (Skills) اور تکنیک میں ایک چیز یہ بھی سکھائی جاتی ہے کہ "Start Early" یعنی اپنے دن کا آغاز جلد کریں جس کی وجہ یہ ہے کہ اعلیٰ ذہنی، جسمانی اور تخلیقی صلاحیتوں کے حامل لوگ ہمیشہ سحر خیزی (جلدی بیدار ہونا) کو ترجیح دیتے ہیں کیونکہ جب آپ صبح سویرے اٹھتے ہیں تو خود کو پر سکون، تو انا اور استعدادِ کار سے لبریز محسوس کرتے ہیں اور نظامِ اوقات کے مطابق اپنی سرگرمیاں بہترین طریقے سے سرانجام دے سکتے ہیں جبکہ رات کو دیر تک جاگنے اور دن کو تاخیر سے بیدار ہونے کی عادت جہاں انسان کی تخلیقی صلاحیتوں کو ماردیتی ہے وہیں معمولاتِ زندگی، پیشہ ورانہ کارگردگی اور اوقاتِ کار کو بھی بری طرح متاثر کرتی ہے-

ضیاعِ وقت سے اجتناب کا نسخہ اکسیر:

قرآن مجید نے ضیاعِ وقت سے بچنے کیلئے ایک بہترین فارمولا یہ بتایا ہے کہ ہر حال میں کسی نہ کسی طرح ذکرِ الٰہی میں

[20] (النبا:11-10)
[21] (الفرقان:47)

مصروف رہا جائے تاکہ زندگی کا ایک لمحہ بھی ضائع نہ ہو- ارشادِ ربّانی ہے:

"اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِہِمْ"[22]

"جو اللہ کی یاد کرتے ہیں کھڑے اور بیٹھے اور کروٹ پر لیٹے"-

ایک اور آیت ہے:

"وَاذْکُرْ رَّبَّکَ فِیْ نَفْسِکَ تَضَرُّعًا وَّخِیْفَةً وَّدُوْنَ الْجَہْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ وَلَا تَکُنْ مِّنَ الْغٰفِلِیْنَ"[23]

"اور اپنے رب کو اپنے دل میں یاد کرو زاری اور ڈر سے اور بے آواز نکلے زبان سے صبح اور شام اور غافلوں میں نہ ہونا"-

ان آیات میں ہر وقت ذکرِ الٰہی (یادِ حق تعالیٰ) میں مشغول رہنے کی ترغیب دی گئی ہے اور یہ بھی واضح کیا گیا ہے انسان نہ صرف اپنے اعضاء کو عبادت و ذکرِ الٰہی میں مشغول رکھے بلکہ اپنا دل بھی اللہ کی یاد میں لگائے رکھے-صوفیائے کرام نے اس عمل (دل میں یادِ الٰہی) کو قلبی ذکر اللہ یا ذکرِ خفی کا نام دیا ہے اور اسے تصوف میں ایک خاص اہمیت حاصل ہے-اس لئے کہ اصلاحِ احوال اور طریقِ تصوف میں ہر لمحہ اور ہر سانس کا محاسبہ کیا جاتا ہے کہ کہیں وہ محبت و طاعتِ الٰہی سے غافل تو نہیں جا رہا-

دسویں صدی کے معروف صوفی باصفاء سلطان العارفین حضرت سلطان باھو (رحمۃ اللہ علیہ) نے "اسم اللہ ذات" کا ذکر تجویز کیا ہے جس سے انسان اپنے دل کو یادِ الٰہی میں لگا کر روحانی و ذہنی پاکیزگی کا حاصل کر سکتا ہے- وقت کے مؤثر استعمال پہ حضرت سلطان العارفین کا یہ مصرعہ اصولی حیثیت کا حامل ہے:

جو دم غافل سو دم کافر سانوں مرشد ایہہ فرمایا ھُو

اوقاتِ نماز سے وقت شناسی و پابندیِ وقت کی تلقین:

اسلام فرائض و آداب میں خاص طور پر نماز پنجگانہ کے مقررہ اوقات مومنین کو وقت شناسی اور وقت کی صحیح تنظیم کی طرف رغبت دلاتے ہیں-ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"اِنَّ الصَّلٰوةَ کَانَتْ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ کِتٰبًا مَّوْقُوْتًا"[24]

"بیشک نماز مومنوں پر مقررہ وقت کے حساب سے فرض ہے"-

صاحبِ تفسیرِ نعیمی نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے:

"مَّوْقُوْتًا" وقت سے بنا، بمعنی وقتوں پر تقسیم کی ہوئی کہ ہر نماز اپنے وقت سے پہلے نہیں پڑھی جا سکتی اور بعد وقت پڑھی جائے تو قضا ہوتی ہے یعنی یقیناً نماز پنجگانہ مسلمانوں پر پابندی وقت کے ساتھ فرض ہے کہ ہر نماز اس کے مقررہ وقت پر پڑھی جائے"-

عمرِ رفتہ پر ندامت:

قرآن مجید نے یہ بھی تذکرہ کیا ہے کہ انسان کیسے ضیاعِ وقت کے بعد پشیمانی و ندامت اٹھاتا ہے-اس کیلئے قرآن مجید نے ایک مثال انسان کی دارِ فانی کو چھوڑ کر دارِ باقی (آخرت) کے سفر کی دی ہے کہ جب انسان کے پاس خدا کے حضور سوائے ندامت و پچھتاوے کے کچھ نہیں ہوتا اور انسان اعمالِ صالح (جو اس نے دنیا میں یادِ الٰہی سے غفلت و سستی کے کارن بالکل بھلا دیئے ہوتے ہیں) کی انجام دہی کیلئے مزید وقتِ مہلت (دوبارہ زندگی) طلب کرتا ہے- جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"وَ اَنْفِقُوْا مِنْ مَّا رَزَقْنٰکُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَ اَحَدَکُمُ الْمَوْتُ فَیَقُوْلَ رَبِّ لَوْلَآ اَخَّرْتَنِیْٓ اِلٰٓی اَجَلٍ قَرِیْبٍ فَاَصَّدَّقَ وَاَکُنْ مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ"[25]

"اور ہمارے دیے میں سے کچھ ہماری راہ میں خرچ کرو قبل اس کے کہ تم میں کسی کو موت آئے پھر کہنے لگے،

---

[22](آلِ عمران:191)
[23](الاعراف:205)
[24](النساء:103)
[25](المنافقون:10)

اے میرے رب تو نے مجھے تھوڑی مدت تک کیوں مہلت نہ دی کہ میں صدقہ دیتا اور نیکوں میں ہوتا"۔

ایک مقام پر ارشاد ہوا:

"لَعَلِّيٓ أَعۡمَلُ صَٰلِحٗا فِيمَا تَرَكۡتُۚ كَلَّآ"[26]

"شاید اب میں کچھ بھلائی کماؤں اس میں جو چھوڑ آیا ہوں۔ ہر گز نہی"۔

اس بے جا تمنا کا بھی قرآن مجید نے قطعی جواب دیا ہے تا کہ انسان کسی مغالطے میں نہ رہے:

"وَلَن يُؤَخِّرَ ٱللَّهُ نَفۡسًا إِذَا جَآءَ أَجَلُهَاۚ وَٱللَّهُ خَبِيرُۢ بِمَا تَعۡمَلُونَ"[27]

"اور ہر گز اللہ کسی جان کو مہلت نہ دے گا جب اس کا وعدہ آجائے اور اللہ کو تمہارے کاموں کی خبر ہے"۔

مذکورہ آیت سے سمجھ آتی ہے کہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے جس میں انسان کو ہر لمحہ آخرت کا سامان کرنا ہے۔ اگر وہ ایسا نہیں کرتا اور غفلت میں اپنے اوقات نفسانی خواہشات اور محبتِ دنیا میں برباد کر بیٹھتا ہے تو پھر روزِ محشر اس کے اعمال میں یاس و حسرت اور شرمندگی کے سوا کچھ نہیں ہو گا۔ اسی لیے صوفیاء کرام نے کہا ہے کہ غنیمتِ زندگی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے دنیا میں نفس و شیطان کی پیروی سے اجتناب اور اعمال صالحہ اختیار کریں اس سے پہلے کہ بہت دیر ہو جائے۔ شیخ سعدی شیرازی "گلستان" میں فرماتے ہیں:

خیرے کُن اے فلاں و غنیمت شمار عمر
زاں پیشتر کہ بانگ بر آید فلاں نماند

"اے فلاں! غور کرو اور زندگی کو غنیمت جانو، اس سے پہلے کہ اعلان ہو کہ فلاں شخص اب زندہ نہیں رہا"۔

اب تک کی تحریر سے بخوبی عیاں ہے کہ قرآن مجید میں صادر مذکورہ احکامات میں وقت برباد کرنے والوں کیلئے عبرت ہے اور وقت کے قدر دانوں کیلئے امید نجات۔ یعنی وقت کے قدر شناس کامیابی جبکہ وقت سے غفلت برتنے والے ناکامی کے سزاوار ہیں۔ مزید یہ احکامات تنظیمِ وقت اور وقت شناسی کی عادت اپنانے کیلئے ایک عمدہ ترین نصاب کی حیثیت رکھتے ہیں جن کی روشنی میں تنظیمِ اوقات کر کے انسان اپنی معاشی، سیاسی، سماجی، روحانی، کاروباری اور خاندانی زندگی، الغرض! ہر پہلو میں وقت جیسی عظیم دولت کے ضیاع سے نہ صرف بچ سکتا ہے بلکہ ایک منظّم انسان اور کامیاب و اچھے مسلمان کی حیثیت سے زندگی بسر کر سکتا ہے۔

افسوس کا مقام ہے کہ کتابِ زندہ قرآنِ حکیم کو مان کر بھی آج ہمارے معاشرے میں وقت ایک بے قدر و بے وقعت چیز بن کر رہ گئی ہے اور عصرِ حاضر میں مسلم معاشرے کی بحیثیتِ مجموعی پستی و محرومی کا ایک بڑا سبب وقت کا ضیاع اور غیر سنجیدہ استعمال بھی ہے۔ کشورِ حسین پاکستان کی ہی مثال لیجئے! جہاں لوگوں کی کثیر تعداد ضیاعِ وقت کی آفت میں مبتلا ہے جنہیں پروائے نشیمن ہے نہ احساسِ زیاں۔ بربادی وقت میں عمر کا طویل حصہ گزر جانے کے بعد نہ تو کوئی خاطر خواہ کامیابی ان کے ہاتھ آتی ہے اور نہ ہی وہ ملک و قوم کیلئے کوئی قابلِ فخر کارنامہ سر انجام دے سکتے ہیں۔ خاص طور پر ہماری نوجوان نسل جس کا جنم ٹیکنالوجی اور سوشل میڈیا کی رواں صدی میں ہوا ہے وہ منزل و مقصودِ زندگی کا واضح تعین نہ ہونے کے سبب کسی تخلیقی یا تعمیری سرگرمی میں اپنا وقت صرف کرنے کی بجائے بے مقصد و بے کار کاموں میں وقت کی قیمتی دولت ایسے لٹا رہی ہے گویا یہ سب سے ادنیٰ و حقیر شے ہو۔ یہی زعم نسلِ نو کا مستقبل تاریک تر بنا رہا ہے جس سے نجات کیلئے نسلِ نو میں تعلیماتِ قرآن مجید و سنتِ رسول (ﷺ) کا عملی شعور اور بیداری لازم ہے۔

وقتِ فرصت ہے کہاں، کام ابھی باقی ہے
نورِ توحید کا اتمام ابھی باقی ہے

☆☆☆

رَبَّنَا اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ

[26] (المؤمنون:100)
[27] (المنافقون:11)

قرآنی آیات کے اسبابِ نزول کی شناخت اور فوائد

مفتی محمد صدیق خان قادری

یہ ایک اٹل حقیقت ہے کہ قرآن مجید تمام علوم کا سرچشمہ اور آفتاب علوم کا مطلع ہے-اللہ تعالیٰ نے "تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ" فرما کر اسی حقیقت کو بنی نوع انسان پر واضح فرما دیا کہ اس میں ہر شئے کا علم موجود ہے-لہٰذا تم اس بحر بے کنار میں اپنی علمی استعداد کے مطابق غوطہ زن ہو کر اپنی چاہت و مقصود کے موتی نکال سکتے ہو یہی وجہ ہے کہ ہر ایک فن کا ماہر اسی سے مدد لیتا ہے اور اپنے مسائل کی تحقیق میں اس پر ہی اعتماد کرتا ہے فقیہہ قرآنِ مجید سے احکام کا استنباط کرتا ہے اور حلال و حرام کے احکام ڈھونڈ نکالتا ہے تو نحوی اسی کی آیتوں پر اپنے قواعد و اعراب کی بنیاد رکھتا ہے اور علمِ بیان کا ماہر بھی خوبی بیاں اور عبارت آرائی میں اسی کی روش پر چلتا نظر آتا ہے تو کہیں اصولیین، اصول تفسیر و حدیث کی بنیاد اسی قرآن مجید کو بناتے ہیں-

یادرہے قرآن کریم کی آیات دو قسم کی ہیں ایک قسم وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے ابتداءً نازل کیا وہ کسی خاص سبب کے ساتھ مربوط نہیں تھیں وہ محض مخلوق کی ہدایت وراہنمائی کے لئے نازل کی گئیں اس قسم کی آیات بکثرت ہیں-

دوسری قسم وہ ہے جو کسی خاص سبب یا خاص واقعہ کے ساتھ مربوط ہیں یا کسی سوال کے جواب میں نازل ہوئیں اسباب اور واقعات کو مفسرین کی اصطلاح میں سبب نزول اور شانِ نزول کہا جاتا ہے-اور ان اسباب نزول کو جاننا بہت ضروری ہوتا ہے-زیر نظر مضمون میں ہم قرآنی آیات کے اسباب نزول کی شناخت کے فوائد جاننے کی کوشش کریں گے-

امام جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں کہ اسباب نزول کے جاننے کے بہت سے فائدے ہیں وہ درج ذیل ہیں:

پہلا فائدہ:

"معرفة وجه الحكمة الباعثة على تشريع الحكم"[1]

حکم کے مشروع ہونے کی حکمت کا علم اور اس حکمت کی وجہ کا معلوم کرنا-

دوسرا فائدہ:

"تخصيص الحكم به عند من يرى ان العبرة بخصوص السبب"

"جس شخص کے خیال میں حکم کا اعتبار سبب کی خصوصیت کے ذریعہ سے کیا جاتا ہے اس کی رائے کے لحاظ سے سبب نزول کے ساتھ حکم کی خصوصیت ظاہر کرنا"-

تیسرا فائدہ:

"ان اللفظ قد يكون عاما و يقوم الدليل على تخصيصه فاذا عرف السبب قصر التخصيص على ما عدا صورته-"[2]

---

[1] (الاتقان فی علوم القرآن، جز:1، ص:87)

[2] (ایضاً)

"بے شک لفظ تو کبھی عام ہوتا ہے مگر دلیل اس کی تخصیص پر قائم ہو جاتی ہے اس لئے جب سبب نزول معلوم ہو گا تو تخصیص کا اقتصار اس سبب کی صورت کے ماسوا پر ہو جائے گا"۔

چوتھا فائدہ:

"الوقوف علی المعنی و ازالۃ الاشکال"[3]

سبب نزول کی معرفت سے آیات کے معانی پر واقفیت حاصل ہوتی ہے اور ان کے سمجھنے میں الجھن نہیں پڑتی اور اشکال وغیرہ کا ازالہ ہو جاتا ہے۔

اسی لئے تو امام واحدی فرماتے ہیں:

"لا یمکن تفسیر الآیۃ دون الوقوف علی قصتها و بیان نزولها"[4]

کسی آیت مبارکہ کا قصہ اور سبب نزول جانے بغیر اس آیت کی تفسیر کرنا ممکن ہی نہیں۔

علامہ ابن دقیق العید فرماتے ہیں:

"بیان سبب النزول طریق قوی فی فهم معانی القرآن"[5]

"قرآن کے معانی سمجھنے میں ایک مضبوط طریقہ سبب نزول کا بیان ہے"۔

علامہ ابن تیمیہ کہتے ہیں:

"معرفة سبب النزول یعین علی فهم الآیة فان العلم بالسبب یورث العلم بالمسبب"[6]

"سبب نزول کی معرفت آیت کے سمجھنے میں مدد دیتی ہے کیونکہ سبب کے علم سے مسبب کا علم حاصل ہوتا ہے"۔

ان آئمہ کرام کے اقوال سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ آیت کا سبب نزول معلوم نہ ہو تو نہ صرف اس آیت کی تفسیر کرنا ناممکن ہو جاتا ہے بلکہ آیت کے معنی اور مفہوم سمجھنے میں بھی دقت ہو جاتی ہے اور کبھی انسان خطا بھی کر جاتا ہے۔مثال کے طور پہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان:

"وَ لِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ"[7]

"اور مشرق اور مغرب سب اللہ ہی کے ہیں تو تم جدھر منہ کرو وہیں اللہ (تمہاری طرف متوجہ) ہے"۔

قرآن کریم کی اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انسان کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ جس طرف چاہے منہ کرے اور اس کے لئے سفر اور حضر میں کہیں بھی بیت اللہ کی طرف متوجہ ہو کر نماز پڑھنا واجب نہیں ہے لیکن اس آیت کا صحیح معنیٰ اور مطلب صرف شانِ نزول سے ہی معلوم ہو سکتا ہے۔

علامہ آلوسی فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عمر بیان کرتے ہیں کہ:

"یہ آیت مسافر کی نماز اور سواری پر نفل پڑھنے کے متعلق نازل ہوئی ہے یعنی سفر میں نمازی کو یہ رخصت دی گئی ہے کہ وہ نفل نماز سواری پر پڑھ سکتا ہے خواہ سواری کا رخ کسی طرف بھی ہو۔۔حضرت جابر سے مروی ہے کہ یہ آیت ایک قوم کے متعلق نازل ہوئی جس پر ایک غزوہ میں قبلہ مشتبہ ہو گیا تھا اور انہوں نے اندھیرے میں جنوب یا شمال کی طرف منہ کر کے نماز پڑھ لی تو پریشان ہوئے کہ ان کی نماز ہوئی یا نہیں تب یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی"۔[8]

اسی طرح اگر اللہ تعالیٰ کے اس فرمان مبارک پر غور کیا جائے کہ:

[3](ایضاً)
[4](ایضاً)
[5](لباب النقول فی اسباب النزول، جز:1، ص:13)
[6](مجموع الفتاویٰ، جز:13، ص:339)
[7](البقرۃ:115)
[8](روح المعانی، ج:2، ص:365)

"اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا"[9]

"بے شک صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں سو جس نے بیت اللہ کا حج یا عمرہ کیا تو اس پر صفا اور مروہ کے چکر لگانے میں کوئی حرج نہیں ہے"۔

اس آیت سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ صفا و مروہ کی سعی مباح ہے واجب نہیں ہے۔ عروہ بن زبیر کو یہی اشکال لاحق ہوا۔

امام بخاری ایک حدیث پاک نقل فرماتے ہیں کہ:

"عروہ بن زبیر نے آیت مذکورہ پڑھ کر حضرت عائشہ صدیقہ (رضی اللہ عنہا) سے سوال کیا کہ اس آیت کی رو سے اگر کوئی شخص صفا اور مروہ میں سعی نہ کرے تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ (رضی اللہ عنہا) نے فرمایا: اے بھتیجے تم نے درست نہیں کہا اگر اس آیت کا وہی معنی ہوتا جس طرح تم نے تاویل کی ہے تو یہ آیت اس طرح ہوتی۔

"لا جناح علیہ ان لا یطوف بھما"

"جو ان کے درمیان سعی نہ کرے اسے کوئی گناہ نہیں"۔

لیکن یہ آیت انصار کے متعلق نازل ہوئی ہے وہ اسلام لانے سے پہلے مناۃ (بت) کے لئے احرام باندھتے تھے۔ پھر جو احرام باندھتا وہ صفا اور مروہ کی سعی کو گناہ سمجھتا پھر جب وہ اسلام لائے تو انہوں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے اس کے متعلق سوال کیا کہ ہم زمانہ جاہلیت میں صفا اور مروہ کی سعی کو گناہ سمجھتے تھے تو تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت مبارکہ نازل فرمائی جس میں فرمایا کہ بے شک صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں سو جس نے بیت اللہ کا حج اور عمرہ کیا تو اس پر صفا اور مروہ کے چکر لگانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ حضرت عائشہ (رضی اللہ عنہا) نے کہا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ان کے درمیان سعی کو واجب قرار دیا ہے پس کسی شخص کے لئے ان کے درمیان سعی کو ترک کرنا جائز نہیں ہے۔[10]

گویا کہ حضرت عائشہ صدیقہ (رضی اللہ عنہا) نے اس آیت کا سبب نزول بیان کر کے اس کا صحیح معنیٰ اور مطلب سمجھا دیا۔

اسی طرح مروان بن حکم کو اس آیت مبارکہ کے معنیٰ سمجھنے میں دِقّت آپڑی تھی:

"لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اَتَوْا وَّيُحِبُّوْنَ اَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ"[11]

"ہر گز نہ سمجھنا انہیں جو خوش ہوتے ہیں اپنے کئے پر اور چاہتے ہیں کہ بے کئے اُن کی تعریف ہو ایسوں کو ہر گز عذاب سے دُور نہ جاننا اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے"۔

اس نے کہا کہ اس کے معنیٰ یہ ہیں، کہ اگرچہ ہر شخص اسی چیز پر خوش ہوتا ہے جو اس کو دی گئی ہے اور وہ اس چیز کو پسند کرتا ہے کہ ایسا کام جو عذاب کے قابل ہو اس کام کے نہ کرنے پر اس کی تعریف کی جائے لیکن خدا فرما رہا ہے کہ بے شک ہم سب کو عذاب دیں گے، تو مروان اس آیت مبارکہ کا معنیٰ مطلب نہ سمجھ سکا، امام بخاری نقل فرماتے ہیں کہ مروان نے اپنے دربان سے کہا کہ اے رافع حضرت ابن عباس (رضی اللہ عنہما) کے پاس جاؤ اور پوچھو کہ ہر شخص اپنے فعل پر خوش ہوتا ہے اور یہ چاہتا ہے کہ جو کام اس نے نہیں کیے اس پر اس کی تعریف کی جائے تو اگر ایسے شخص کو عذاب دیا جائے تو ہم سب کو عذاب دیا جائے گا۔ حضرت ابن عباس (رضی اللہ عنہما) نے فرمایا تمہارا اس آیت سے کیا تعلق ہے یہ آیت تو یہود کے بارے میں نازل ہوئی ہے کہ جب آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے یہود کو بلایا اور ان سے کسی چیز کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے اصل چیز کو چھپا

[9] (البقرۃ:158) [10] (صحیح البخاری، ج:1، ص:223) [11] (آلِ عمران:188)

لیا اور آپ کو کچھ اور بتا دیا اور وہ یہ چاہتے تھے کہ انہوں نے آپ کو جس چیز کی جھوٹی خبر دی ہے اور جو اصل چیز انہوں نے چھپائی ہے اس پر ان کی تعریف کی جائے تو پھر حضرت ابن عباس (رضی اللہ عنہما) نے یہی آیت مبارکہ تلاوت فرمائی۔

پانچواں فائدہ:

"دفع توھم الحصر"[12]

سبب نزول کے علم سے حصر کا توہم دور ہوتا ہے۔

امام شافعی نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان مبارک "قُلْ لَّآ اَجِدُ فِیْ مَآ اُوْحِیَ اِلَیَّ مُحَرَّمًا" کے معنیٰ میں فرمایا ہے کہ جس وقت کفار نے خدا کی حلال کی ہوئی چیزوں کو حرام اور اس کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حلال قرار دیا اور وہ لوگ خواہ مخواہ ضد کی وجہ سے ایسا کرتے تھے تو اس وقت مذکورہ آیت ان کی غرض کی مناقضت کے لئے نازل کی گئی گویا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جس چیز کو تم مشرکین نے حرام قرار دیا ہے۔ اس کے سوا کوئی حلال چیز اور جس چیز کو تم نے حلال قرار دیا ہے اس کے سوا کوئی حرام شے نہیں ہے۔

جیسے دو مخالف شخصوں میں سے ایک شخص یہ کہے کہ میں آج میٹھا نہیں کھاؤں گا اور دوسرا ضد میں آکر کہے میں تو آج میٹھا ہی کھاؤں گا۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے ان کی ضد کا جواب دینا مقصود ہے نہ کہ درحقیقت نفی و اثبات مطلوب ہے۔ گویا کہ پروردگار عالم نے فرمایا کہ مردار، خون، سور کا گوشت اور غیر خدا کے نام پر ذبح کئے ہوئے جانور جن کو تم نے حلال قرار دیا ہے ان کے سوا کوئی چیز حرام ہی نہیں اور اس بات سے ان چیزوں کے ماسوا کا حلال ہونا مراد نہیں لیا کیونکہ یہاں تو محض حرمت ثابت کرنے کا قصد تھا نہ کہ حلت کا ثابت کرنا۔

چھٹا فائدہ:

معرفة اسم النازل فيه الاية و تعيين المبهم فيها۔[13]

سبب نزول کے ذریعے سے اس شخص کا نام معلوم ہوتا ہے جس کے بارے آیت اتری اور آیت کے مبہم حصہ کی بھی اسی کے ذریعے تعیین ہو سکتی ہے۔ مثلاً مروان بن حکم نے عبد الرحمٰن بن ابی بکر کے بارے میں کہا تھا کہ یہ آیت کریمہ "وَالَّذِیْ قَالَ لِوَالِدَیْهِ اُفٍّ لَّكُمَآ" ان کے بارے نازل ہوئی ہے تو حضرت عائشہ صدیقہ (رضی اللہ عنہا) نے اس آیت کا صحیح سبب نزول بیان کر کے مروان کے قول کی تردید فرمادی۔

الغرض خلاصہ کلام یہ ہے کہ آیات کے اسباب نزول کا جاننا انتہائی اہم اور ضروری ہے کیونکہ ان اسباب کی معرفت کی صورت میں نہ صرف آیات کے صحیح معانی اور مفہوم پر واقفیت حاصل ہوتی ہے بلکہ مختلف اشکالات کے ازالے کیلئے بڑے معاون ثابت ہوتے ہیں اور ان کی وجہ سے حکم کے مشروع ہونے کی حکمت کا علم بھی ہو جاتا ہے۔

☆☆☆

[12] (الاتقان فی علوم القرآن، جز:1، ص:89)
[13] (ایضاً)

قرآن مجید اور اسرارِ معرفت

تصنیفاتِ سلطان العارفینؒ سے ایک مطالعہ

لئیق احمد

قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا پاک کلام ہے جو لوحِ محفوظ سے تئیس سال کے عرصے میں حضور رسالت مآب (ﷺ) پہ نازل ہوا اور اس کا نزول لیلۃ القدر پہ تکمیل کو پہنچا- اس لاریب کتاب کی شان یہ ہے کہ اس میں قیامت تک کے آنے والے انسانوں کے لئے ہدایت رکھ دی گئی ہے- اللہ تعالیٰ نے اپنے اس کلام پاک میں بارہا غور و فکر کرنے کا حکم فرمایا ہے:

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"اَلَّذِیۡنَ یَذۡکُرُوۡنَ اللّٰہَ قِیٰمًا وَّ قُعُوۡدًا وَّ عَلٰی جُنُوۡبِہِمۡ وَ یَتَفَکَّرُوۡنَ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقۡتَ ہٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبۡحٰنَکَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ "[1]

"جو اللہ کا ذکر کرتے ہیں کھڑے اور بیٹھے اور کروٹ کے بل اور آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں غور کرتے ہیں اے رب ہمارے تو نے یہ بیکار نہ بنایا، پاکی ہے تجھے تو ہمیں آگ کے عذاب سے بچالے"-

اس کتاب مقدس کا اعجاز ہے کہ اس میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے حیرت انگیز اور تعجب خیز واقعات کو بارہا بیان فرمایا ہے جسے پڑھ کر عقل احاطۂ ادراک سے بعض دفع عاجز ہو جاتی ہے- یہ عجائبات و نوادرات اپنے اندر نصیحتوں اور عبرتوں کو سموئے ہوئے ہیں جو انسان کے لئے ہدایت کا سامان پیش کرتے ہیں- جیسا کہ ارشاد ہوا:

"اِنَّ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ لَاٰیٰتٍ لِّلۡمُؤۡمِنِیۡنَ ؕ وَ فِیۡ خَلۡقِکُمۡ وَ مَا یَبُثُّ مِنۡ دَآبَّۃٍ اٰیٰتٌ لِّقَوۡمٍ یُّوۡقِنُوۡنَ ۙ وَ اخۡتِلَافِ الَّیۡلِ وَ النَّہَارِ وَ مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ مِنَ السَّمَآءِ مِنۡ رِّزۡقٍ فَاَحۡیَا بِہِ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِہَا وَ تَصۡرِیۡفِ الرِّیٰحِ اٰیٰتٌ لِّقَوۡمٍ یَّعۡقِلُوۡنَ "[2]

"بیشک آسمانوں اور زمین میں نشانیاں ہیں ایمان والوں کے لئے- اور تمہاری پیدائش میں اور جو جو جانور وہ پھیلاتا ہے ان میں نشانیاں ہیں یقین والوں کے لئے- اور رات اور دن کی تبدیلیوں میں اور اس میں کہ اللہ نے آسمان سے روزی کا سبب مینہ اتارا تو اس سے زمین کو اس کے مرے پیچھے زندہ کیا اور ہواؤں کی گردش میں نشانیاں ہیں عقل مندوں کے لئے"-

قرآن مجید میں بیان کردہ ان واقعات میں جانوروں کا ذکر، انبیاء کرام (علیہم السلام) کے معجزات، تخلیقِ کائنات اور نظامِ کائنات کے معاملات، قیامت کے احوال، خاک کے ادنیٰ ترین ذرے سے لے کر کہکشاں کے بیکراں سمندر و دیگر کے ایسے ایسے عجائبات موجود ہیں جو اس ذات پاک کی وحدانیت کا پرچار کرتے ہیں اور آج انسان اپنی مادی ترقی کی بنا پر سائنسی حقائق سے ان عجائبات کو جب دیکھتا ہے تو ورطۂ حیرت میں پڑ جاتا ہے کہ بے شک ان تمام علوم کو بیان کرنے والا ہی ذاتِ الٰہ حق ہے-

---

[1] (آلِ عمران:191)
[2] (الجاثیہ:3-5)

زیرِ غور مقالہ میں قرآن مجید کے چند ایک مقامات سے معرفت و باطن کے بارے حاصل کردہ اسباق و ہدایات سے مستفیض ہونا ہے جو سلطان العارفین حضرت سلطان باھو (قدس اللہ سرّہٗ) نے اپنی تصنیفات میں بیان فرمائے ہیں- اہلِ تصوف کا شعار رہا ہے کہ وہ باذن اللہ اور بہ اجازتِ رسول اللہ (ﷺ) عوام الناس کی رہنمائی کے لئے قرآن میں موجود اسرار و رموز کو کھول کھول کر بیان فرماتے ہیں- اس مادہ پرستی کے دور میں ان تعلیمات کا مطالعہ ہمارے ایمان کی تازگی اور تقویٰ کی تقویت کا باعث بن سکتے ہیں-

قرآن مجید میں اسرارِ معرفت اور تعلیماتِ باھوؒ:

حضرت سلطان محمد باھو (قدس اللہ سرّہٗ) نے طالبانِ مولیٰ کی رہنمائی کے لئے باذن اللہ 140 تصانیف تحریر فرمائیں اور آپ کی تمام تر تصانیف جو منظرِ عام پہ موجود ہیں، ان میں آپ (قدس اللہ سرّہٗ) نے کثرت سے قرآن مجید، احادیثِ قدسیہ، احادیثِ مبارکہ و اقوالِ صالحین سے استفادہ فرمایا ہے- آپ (قدس اللہ سرّہٗ) کی تعلیمات میں جابجا قرآن مجید کی آیات کی عرفانی تفاسیر ملتی ہیں جبکہ آپ (قدس اللہ سرّہٗ) نے قرآن مجید میں بیان کردہ عجائبات سے ماحصل اسباق و ہدایات کی تدریس بھی فرمائی ہے- اسرار میں زیادہ تر معجزاتِ انبیاء (علیہم السلام) کا ذکر آتا ہے اور اللہ تبارک وتعالیٰ کے پاک اسم کی برکت سے انبیاء (علیہم السلام) کو معجزات نصیب ہوئے- جیسا کہ آپ (قدس اللہ سرّہٗ) ارشاد فرماتے ہیں:

"یدِ بیضا، عصائے موسیٰ، صبرِ ایوبؑ، شوقِ جرجیسؑ، قربانیٔ خلیلؑ، دمِ عیسیٰؑ، خاتمِ سلیمانؑ، آئینۂ سکندری اور خُلقِ محمدی (ﷺ) اور جو کچھ کونین کے اندر ہے اِن سب کا ظہور برکتِ اسمِ "اَللّٰہُ" اور تجلیاتِ نورِ اَللّٰہُ سے ہے"-[3]

سلطان العارفین حضرت سلطان باھو (قدس اللہ سرّہٗ) کی تصنیفات میں موجود اسباقِ معرفت از قرآن ایک مفصل موضوع ہے کہ اگر اس کا عمیق جائزہ لیا جائے تو مکمل ایک کتاب کی ضرورت ہے- لہٰذا مقالہ کے اختصار کے پیشِ نظر، چند ایک اقتباسات کو ذیل میں پیش کیا گیا ہے-

حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کا مردوں کو زندہ کرنا:

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِيْ عَلَيْكَ وَعَلٰى وَالِدَتِكَ ۘ اِذْ اَيَّدْتُّكَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ۭ تُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا ۭ وَاِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ۚ وَاِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّيْنِ كَهَيْــــَٔةِ الطَّيْرِ بِاِذْنِيْ فَتَنْفُخُ فِيْهَا فَتَكُوْنُ طَيْرًۢا بِاِذْنِيْ وَتُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ بِاِذْنِيْ ۚ وَاِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰى بِاِذْنِيْ ۚ وَاِذْ كَفَفْتُ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ عَنْكَ اِذْ جِئْتَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ"[4]

"جب اللہ فرمائے گا اے مریم کے بیٹے عیسیٰ یاد کر میرا احسان اپنے اوپر اور اپنی ماں پر جب میں نے پاک روح سے تیری مدد کی تو لوگوں سے باتیں کرتا پالنے میں اور پکّی عمر کا ہو کر اور جب میں نے تجھے سکھائی کتاب اور حکمت اور توریت اور انجیل اور جب تو مٹی سے پرند کی سی مورت میرے حکم سے بناتا پھر اس میں پھونک مارتا تو وہ میرے حکم سے اُڑنے لگتی اور تو مادر زاد اندھے اور سفید داغ والے کو میرے حکم سے شفا دیتا اور جب تو مردوں کو میرے حکم سے زندہ نکالتا- اور جب میں نے بنی اسرائیل کو تجھ سے روکا جب تو ان کے پاس روشن نشانیاں لے کر آیا تو ان میں کے کافر بولے کہ یہ تو نہیں مگر کھلا جادو"-

اس آیتِ مبارکہ میں حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کے معجزات کا ذکر فرمایا گیا ہے- ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آپ (علیہ السلام)

[3] (نور الھدیٰ، ص:775)
[4] (المائدہ:110)

اللہ تعالیٰ کے حکم سے مردوں کو زندہ کیا کرتے تھے- حضرت سلطان باھوؒ اسی متعلق طالب اللہ کو فرماتے ہیں:

"اے طالب! مجھ سے معرفتِ حق حاصل کر تا کہ تو ثانیٔ خضر اور عیسیٰ صفت ہو جائے"-[5]

ثانیٔ خضر یعنی حیاتِ جاوداں پا جانے والا اور عیسیٰ صفت ہونا یعنی مردہ دلوں کو زندہ کر دینے والا- اللہ تعالیٰ نے مردوں کو زندہ کرنے کا معجزہ عیسیٰ (علیہ السلام) کو عطا کیا اور حضرت سلطان باھوؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کا طالب معرفتِ الٰہی کی بدولت فنافی اللہ اور بقا باللہ حاصل کر کے اپنی روح کو زندہ کر لیتا ہے اور جس طرح حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) مردوں کو زندہ کرتے تھے، طالب اللہ معرفتِ الٰہی سے مردہ دلوں کو زندہ کرتا ہے اور انہیں اللہ تعالیٰ کا وصال عطا کرتے ہیں-

تخلیق انسان کی تفصیل:

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم (علیہ السلام) کے جسم کی تخلیق کا معاملہ بیان فرمایا ہے- نیز قرآن مجید نے انسان کی ارواح کا بھی واقعہ بیان فرمایا- ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"وَ اِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِیْۤ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ وَ اَشْهَدَهُمْ عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْۚ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْؕ قَالُوْا بَلٰىۛ شَهِدْنَاۛ اَنْ تَقُوْلُوْا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِیْنَ"[6]

"اور (یاد کیجئے!) جب آپ کے رب نے اولادِ آدم کی پشتوں سے ان کی نسل نکالی اور ان کو انہی کی جانوں پر گواہ بنایا (اور فرمایا:) کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ وہ (سب) بول اٹھے: کیوں نہیں! (تو ہی ہمارا رب ہے،) ہم گواہی دیتے ہیں تاکہ قیامت کے دن یہ (نہ) کہو کہ ہم اس عہد سے بے خبر تھے"-

حضرت سلطان باھو (قدس اللہ سرّہٗ) نے اللہ تعالیٰ کی چاہت، انسانوں کی تخلیق کا مقصد اور الست بربکم کے واقعہ کی تفصیل کچھ اس طرح بیان فرمائی ہے:

"جب اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ خود کو ظاہر کرے تو اپنی زبانِ قدرت سے فرمایا: "کُنْ"- اِس امر کن سے کل مخلوق پیدا ہو کر اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہو گئی- اِس پر اللہ تعالیٰ نے دائیں طرف رحمت و جمالیت کی نظر ڈال کر بہشت کو اُس کی متعلقہ زیب و زینت سے آراستہ کیا اور بائیں طرف نگاہِ قہر و غضب و جلالیت ڈال کر دنیا کو اُس کے متعلقہ چیزوں اور نفس و شیطان سے آراستہ کیا، اِس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنی زبانِ قدرت سے فرمایا: "کیا مَیں تمہارا ربّ نہیں ہوں؟" اِس فرمان کو کل و جز کی تمام ارواح نے سنا اور جواب دیا: "ہاں! کیوں نہیں؟" پھر تمام ارواح دوڑیں، کچھ دائیں طرف آ کر بہشت میں داخل ہوئیں اور صاحبِ تقویٰ و صاحبِ فتویٰ عالم بنیں اور کچھ بائیں طرف آ کر دنیا میں داخل ہوئیں اور دنیادار کاذب و کافر و منافق بنیں اور کچھ ارواح اللہ تعالیٰ کے رُوبرو کھڑی رہیں اور اللہ تعالیٰ کی منظورِ نظر بن کر مشرفِ حضور ہوئیں اور فقرِ حضوری کو اپنا رفیق بنا کے فقیر کا خطاب پایا -اُس وقت اُن فقراء نے نہ تو بہشت کی خواہش کی اور نہ ہی دنیا سے کوئی غرض رکھی بلکہ دنیا و عقبیٰ سے بے خبر رہے اور شوق و اشتیاق سے "اَللّٰہُ ، اَللّٰہُ" کا وِرد کرتے رہے"-[7]

اصحاب کہف کا کتا:

قرآن مجید کی رو سے صراطِ مستقیم پہ چلنے والے انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین ہیں اور ان کے راستے پہ چلنے والے کامیاب ہیں- قرآن کریم نے اس ماجرے کو بیان کرتے ہوئے مثالیں پیش کی ہیں- ایک مقام پہ حضرت نوح (علیہ السلام) کے بیٹے کی بری صحبت کے باعث اس کی گمراہی اور تباہی کو بیان فرمایا جبکہ دوسرے مقام پر ایک کتے کی کامیابی کا ذکر فرمایا جس نے اصحاب کہف کی صحبت کو اختیار کر لیا تھا-

[5](نور الھدیٰ، ص:27)
[6](الاعراف:172)
[7](نور الھدیٰ، ص:441)

اس واقعہ کا ایک حصہ ذیل میں بیان کیا جاتا ہے- ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"وَ تَحْسَبُهُمْ اَیْقَاظًا وَّ هُمْ رُقُوْدٌ ۬ۚ وَّ نُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ الْیَمِیْنِ وَ ذَاتَ الشِّمَالِ ۬ۚ وَ كَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَیْهِ بِالْوَصِیْدِ ؕ لَوِ اطَّلَعْتَ عَلَیْهِمْ لَوَلَّیْتَ مِنْهُمْ فِرَارًا وَّ لَمُلِئْتَ مِنْهُمْ رُعْبًا"[8]

"اور (اے سننے والے!) تو انہیں (دیکھے تو) بیدار خیال کرے گا حالانکہ وہ سوئے ہوئے ہیں اور ہم (وقفوں کے ساتھ) انہیں دائیں جانب اور بائیں جانب کروٹیں بدلاتے رہتے ہیں، اور ان کا کتا (ان کی) چوکھٹ پر اپنے دونوں بازو پھیلائے (بیٹھا) ہے، اگر تو انہیں جھانک کر دیکھ لیتا تو ان سے پیٹھ پھیر کر بھاگ جاتا اور تیرے دل میں ان کی دہشت بھر جاتی"-

اصحاب کہف کے کتے کی صحیح صحبت کے فائدے کو حضرت سلطان باھو (قدس اللہ سرّہٗ) نے اپنی تعلیمات میں ایک مقام پہ اس طرح بیان فرمایا ہے:

"پس اللہ تعالیٰ کی معرفت کس چیز میں ہے اور کس علم و دانش سے اِس کی تمیز ہوتی ہے؟ تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ اصحابِ کہف کے کتے کو محبت کہاں سے کھینچ لائی اور شیطان کو علم نے کہاں جا پہنچایا؟ شیطان کے پاس اَنائے نفس کا علم تھا جو روح کے خلاف ہے- نفس کی بنیادی کارگزاری بھی یہی ہے کہ وہ بندے کو راہِ خدا سے ہٹا کر بے یقین کرے- اگر علم باعثِ یقین ہو تو راہِ حق کا توشہ ہے اور اگر علم بے معرفت ہو تو باعثِ گمراہی ہے- معرفت کسے کہتے ہیں؟ علمِ معرفت نور ہے جو اَنائے کبر کے غرور سے باز رکھتا ہے"-[9]

حضرت موسیٰ (علیہ السلام) اور حضرت خضر (علیہ السلام) کا مکالمہ:

امت کو تعلیم دینے کی غرض سے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں حضرت موسیٰ (علیہ السلام) اور حضرت خضر (علیہ السلام) کا واقعہ درج فرمایا ہے- تاکہ امت کو علومِ باطنیہ، علمِ لدنی کے اسرار و رموز سے واقفیت عطا ہو سکے- اللہ نے آدم (علیہ السلام) کو تمام اسماء کا علم سکھایا ہے اور انسان کے قلب کو اپنے انوار و تجلیات کا مرکز بنایا ہے- جب قلب و روح زندہ ہوتی ہے تو انسانِ حقیقی کی بیداری سے علمِ لدنی بھی منکشف ہو جاتا ہے- یہ اہل اللہ اہل بصیرت کی نشانیاں ہوتی ہیں- قرآن اس مکالمے کو سورہ کہف میں تفصیلاً بیان فرماتا ہے- ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَآ اٰتَیْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَ عَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا"[10]

"تو دونوں نے (وہاں) ہمارے بندوں میں سے ایک (خاص) بندے (خضر (علیہ السلام)) کو پا لیا جسے ہم نے اپنی بارگاہ سے (خصوصی) رحمت عطا کی تھی اور ہم نے اسے اپنا علمِ لدنّی (یعنی اَسرار و معارف کا الہامی علم) سکھایا تھا"-

حضرت سلطان باھو (قدس اللہ سرّہٗ) اس واقعہ کو عارف باللہ کی وصفِ اتباع کے طور پہ بیان فرماتے ہیں- شمس العارفین میں یہ واقعہ درج ہے:

"پس معلوم ہوا کہ عارف باللہ اُٹھتے بیٹھتے جو کام بھی کرتا ہے اللہ تعالیٰ کے حکم اور حضور علیہ الصلوٰۃ السلام کی اجازت سے کرتا ہے- اُس کا دین و دنیا کا کوئی کام بھی حکمت سے خالی نہیں ہوتا- اُس کی ہر حالت، ہر بات، ہر عمل اور ہر فعل معرفتِ الٰہی سے لبریز ہوتا ہے کیونکہ اُس کی بنیاد تصورِ اسم اللہ ذات پر قائم ہوتی ہے، اُس کے ہر کام کی بنیاد مطلق وصل پر قائم ہوتی ہے اِس لئے بظاہر اُس کے کام خواہ خلقِ خدا کی نظر میں گناہ کے کام ہی کیوں نہ ہوں خالق کے نزدیک عین ثواب و راستی کے کام ہوتے ہیں جیسا کہ ایک مجلس میں موسیٰ (علیہ السلام) اور خضر (علیہ السلام) بظاہر ایک دوسرے سے اختلاف کرتے نظر

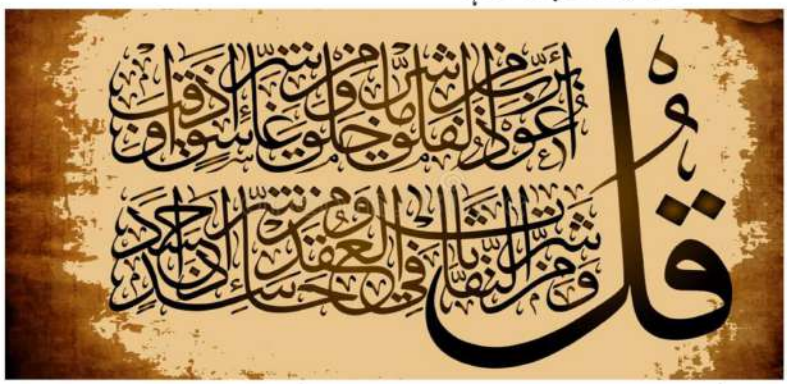

[8] (الکہف:18)
[9] (عقلِ بیدار، ص:83-85)
[10] (الکہف:65)

آتے ہیں، چنانچہ سورہِ کہف میں درج ہے کہ کشتی کو توڑ کر غرق کر دیا گیا، ٹوٹی پھوٹی دیوار کو درست کر دیا گیا اور بچے کو قتل کر دیا گیا-(موسیٰ (علیہ السلام) کے اعتراض پر خضر (علیہ السلام) نے فرمایا کہ) اب مَیں اور آپ ساتھ نہیں چل سکتے"-

حضرت ابراہیم (علیہ السلام) اور ذبح ہو کر زندہ ہونے والے پرندے:

مشاہدۂ قلبی کے متعلق قرآن ایک عجیب واقعہ بیان فرماتا ہے- جب حضرت ابراہیم (علیہ السلام) نے اللہ تعالیٰ سے مردہ کو دوبارہ زندہ کرنے کا مشاہدہ چاہا تو ارشاد باری تعالیٰ ہوا:

"وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِیْ كَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰىؕ قَالَ اَوَ لَمْ تُؤْمِنْؕ قَالَ بَلٰى وَ لٰكِنْ لِّیَطْمَىٕنَّ قَلْبِیْؕ قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّیْرِ فَصُرْهُنَّ اِلَیْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ یَاْتِیْنَكَ سَعْیًاؕ وَ اعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ"[11]

"اور (وہ واقعہ بھی یاد کریں) جب ابراہیم (علیہ السلام) نے عرض کیا: میرے رب! مجھے دکھا دے کہ تُو مُردوں کو کس طرح زندہ فرماتا ہے؟ ارشاد ہوا: کیا تم یقین نہیں رکھتے؟ اس نے عرض کیا: کیوں نہیں (یقین رکھتا ہوں) لیکن (چاہتا ہوں کہ) میرے دل کو بھی خوب سکون نصیب ہو جائے، ارشاد فرمایا: سو تم چار پرندے پکڑ لو پھر انہیں اپنی طرف مانوس کر لو پھر (انہیں ذبح کر کے) ان کا ایک ایک ٹکڑا ایک ایک پہاڑ پر رکھ دو پھر انہیں بلاؤ وہ تمہارے پاس دوڑتے ہوئے آجائیں گے، اور جان لو کہ یقیناً اللہ بڑا غالب بڑی حکمت والا ہے-

درج بالا واقعہ کی عرفانی تفسیر اور اس واقعہ کے حاصل کے متعلق حضرت سلطان باھو (قدس اللہ سرّہٗ) بیان فرماتے ہیں:

"جان لے کہ جب دل زندہ ہوتا ہے تو نفس مر جاتا ہے، دل زندہ اور نفس مر جاتا ہے تو اُس کے وجود سے اربعہ عناصر کی تاثیر مر جاتی ہے-

بیت: پہلے مَیں چار (چیزوں کا مجموعہ) تھا- پھر تین ہوا- پھر دو ہوا اور جب دوئی سے گزارا تو ایک ہو گیا"-

اربعہ عناصر یہ چار پرندے ہیں: (1) شہوت کا مرغ، (2) خواہشات کا کبوتر، (3) زیب وزینت کا مور اور (4) حرص کا کوا- زندگی دل سے یہ چار پرندے اِس آیت مبارکہ [12] کے تحت ذبح ہو کر مرتے ہیں- فرمانِ حق تعالیٰ ہے: "اور جب ابراہیم (علیہ السلام) نے عرض کی: اے میرے ربّ مجھے دکھا دے کہ تُو مردوں کو کس طرح زندہ کرے گا؟ فرمایا: کیا تجھے یقین نہیں ہے؟ عرض کی: کیوں نہیں؟ مگر مَیں اپنے دل کا اطمینان چاہتا ہوں- فرمایا تُو چار پرندوں کو اپنے ساتھ اچھی طرح مانوس کر لے پھر اُن کا ایک ایک ٹکڑا ہر پہاڑ پر رکھ دے پھر اُنہیں آواز دے وہ تیرے پاس دوڑے چلے آئیں گے- جان لے کہ اللہ غالب حکمت والا ہے"-[13]

واقعہ معراج النبی (ﷺ):

وہی ہے اول وہی ہے آخر وہی ہے باطن وہی ہے ظاہر
اسی کے جلوے اسی سے ملنے اسی سے اسکی طرف گئے ہیں

واقعۂ معراج جس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب پاک (ﷺ) کو مسجد الحرام سے مسجد اقصیٰ اور وہاں سے قاب قوسین اور جہاں تک اس نے چاہا راتوں رات میں سفر کروایا- قرآن کریم نے یہ واقعہ اس طرح بیان فرمایا:

"سُبْحٰنَ الَّذِیْۤ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِیَهٗ مِنْ اٰیٰتِنَاؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ"[14]

---

[11] (البقرۃ:260)

[12] (حضرت سلطان باھو (رحمۃ اللہ علیہ) نے اِس آیت سے اعتباری معنی لئے ہیں- صوفیاء کی اکثر تفسیریں اِسی طور پر ہیں خاص طور پر شیخ الاکبر ابنِ عربی (رحمۃ اللہ علیہ) ایسا ہی کرتے ہیں- (سیّد احمد سعید ہمدانی)

[13] (مجالسۃ النبی (ﷺ)، ص:33-35)

[14] (الاسراء:1)

"پاکی ہے اسے جو راتوں رات اپنے بندے کو لے گیا مسجدِ حرام (خانہ کعبہ) سے مسجد اقصیٰ (بیت المقدس) تک جس کے گرداگرد ہم نے برکت رکھی کہ ہم اسے اپنی عظیم نشانیاں دکھائیں بے شک وہ سنتا دیکھتا ہے"۔

حضرت سلطان باھو (قدس اللہ سرّہٗ) واقعہ معراج سے طالب صادق کو سبق دیتے ہیں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی ذات سے اسی کو مانگا جائے کہ حضور رسالتِ مآب (ﷺ) کی بھی یہی سنت ہے۔ آپ (قدس اللہ سرّہٗ) ارشاد فرماتے ہیں:

"یہ فقیر باھُو کہتا ہے کہ شبِ معراج جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام براق پر سوار ہوئے تو جبرائیل (علیہ السلام) نے اٹھارہ ہزار عالم کی جملہ موجودات کو آراستہ و پیراستہ کر کے عرش و کرسی سے بالاتر سدرۃ المنتہیٰ کے مقام پر دست بستہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں پیش کیا۔ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام "مَحْمُوْدًا نَّصِيْرًا قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى" کے اعلیٰ مقام پر پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے پوچھا: "اے محمد (ﷺ) مَیں نے اٹھارہ ہزار عالم کو آپ کے تابع کیا، آپ کو اُس کا معائنہ کرایا اور جملہ موجودات کو آپ کے سپرد کیا، آپ بتائیں کہ آپ کو کون سی چیز پسند آئی اور آپ کیا چیز لینا پسند فرمائیں گے؟"! آپ نے عرض کی: "خداوندا! مجھے اسم اَللّٰہُ اور تیری محبت پسند آئی اور مَیں تجھ سے تجھی کو مانگتا ہوں" فرمایا: "اے محمد! (ﷺ) میری محبت کس چیز میں ہے؟ مَیں کونسی چیز پسند کرتا ہوں؟ وہ کون سی چیز ہے کہ جسے میرا قرب حاصل ہے اور میرے اور اُس کے درمیان کوئی حجاب نہیں؟" حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عرض کی: "خداوندا! وہ چیز فقر فنا فی اللہ بقا باللہ ہے"۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے: "الٰہی مجھے مسکینوں والی زندگی دے، مسکینوں والی موت دے اور میرا حشر بھی مسکینوں کے زمرے میں کر"۔[15]

حرفِ آخر:

اولیاء کاملین (رحمۃ اللہ علیہم) نے اپنی تعلیمات میں قرآن مجید اور احادیث مبارکہ کی شروحات درج کی ہیں۔ باذن اللہ اور باذن رسول اللہ (ﷺ) عوام الناس کے لئے رہنمائی کی راہیں استوار کی ہیں۔ جو بندے کو اس کے مالک کی بارگاہ تک لے جاتی ہیں۔ حضرت سلطان باھو قدس اللہ سرّہٗ نے بھی اپنی تعلیمات میں عجائب و غرائبِ قرآن کو نہ صرف بیان فرمایا بلکہ ان سے ہمارے لئے اسباق اور نکات بھی واضح فرما دیئے۔ دعا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ ہمیں اولیاء اللہ کی صحبت عطا فرمائے اور ان کی تعلیمات کو سمجھنے اور ان پہ عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

☆☆☆

[15] (عین الفقر، ص:65)

حروف مقطعات کی صوفیانہ تفاسیر

مفتی محمد اسماعیل خان نیازی

قرآن مجید کی آیات مبارکہ تین اقسام پر مشتمل ہیں: محکمات، متشابہات اور مقطعات-اس مضمون میں چونکہ موضوع "حروفِ مقطعات" ہے تو اس لئے ہم پہلے مقطعات کی تعریف کرتے ہیں:

"لكل كتاب أنزله الله تعالى سر وسر القرآن فواتح السور"[1]

"اللہ عزوجل کی نازل کردہ ہر کتاب کے راز ہوتے ہیں اور قرآن مجید کے راز سورتوں کے شروع میں آنے والے حروف ہیں"-

مُقَطَّعات یہ اسم مفعول کا صیغہ ہے، جس کا لغوی معانی ہے ٹکڑے ٹکڑے کیے ہوئے چونکہ یہ حروف الگ الگ لکھے اور پڑھے جاتے ہیں اس لیے ان کو حروف مقطعات کہتے ہیں-

حُروفِ مُقطّعات کی تعداد و اقسام:

عربی ایک فصیح زبان ہے اس میں حروف تہجی کے طور استعمال ہونے والے حروف کی تعداد 29 ہے- "الف" اور "ہمزہ" کو ایک حرف مانا جائے تو ان کی تعداد اٹھائیس ہے اور ان 29 حروف میں سے 14 حروف، قرآن پاک میں 'مقطعات' کے طور پر استعمال ہوتے ہیں- حروف مُقطعات ان کو مُقَطَّعَات، اوائلُ السّوَر اور فَوَاتِحُ السُّوَر، حروف افتتاحیہ بھی کہا جاتا ہے وہ حروف جو مقطعات کے طور پر قرآن میں استعمال ہوئے ہیں، یہ ہیں: "ا ح ر س ص ط ع ق ک ل م ن ہ ی"-

حروف مقطعات کا قرآن مجید میں ایک نمایاں مقام ہے اور یہ حروف تمام سورتوں میں پہلی آیت کے طور پر ملتے ہیں، صرف سورۃ الشوریٰ میں پہلی دو آیات حروف مقطعات پہ مشتمل ہیں- پہلی آیت میں "حٰم" اور دوسری آیت میں "عسق" ہے- قرآن مجید میں چار سورتیں ایسی ہیں جن کے نام ہی ان سورتوں میں موجود حروف مقطعات پر رکھے گئے ہیں- یہ چار سورتیں "سورہ طٰہٰ، سورہ یٰسین، سورہ ص اور سورہ ق ہیں"-

حروف مقطعات پانچ طرح کے ہیں: یک حرفی: یہ تین سورتوں میں ہیں جیسا کہ نٓ، قٓ اور صٓ- دو حرفی یہ نو سورتوں میں ہیں جیسا کہ حٰمٓ، یٰسٓ، طٰہٰ، طٰسٓ وغیرہ- تین حرفی: یہ تیرہ سورتوں میں ہیں جیسا کہ الٓمٓ، طٰسٓمٓ، الٓرٰ، عٓسٓقٓ وغیرہ- چار حرفی: یہ دو سورتوں میں ہیں جیسا کہ الٓمٓرٰ، الٓمٓصٓ- پانچ حرفی: یہ بھی دو سورتوں میں ہیں جیسا کہ کٓھٰیٰعٓصٓ، حٰمٓ عٓسٓقٓ-

حُروفِ مُقطّعات کے معانی:

ان کے مطالب پر تحقیق ہوتی رہی ہے اور ان کے بارے میں بہت سے نظریات ہیں اور بعض لوگوں کے مطابق یہ کچھ اسرار و رموز ہیں- مگر اس بات پر اجماع امت ہے کہ ان کے معانی اللہ عزوجل اور اس کے حبیب مکرم (ﷺ) جانتے ہیں- اب ذیل میں ان کے بارے میں مفسرین کرام بالخصوص صوفیاء کرام کی پائی جانے والی آراء کو قلم بند کرنے کی سعی سعید کرتے ہیں- وما توفیقی الا باللہ العلیّ العظیم-

تفسیر بحر المدید:

امام ابن عجیبہ (رحمۃ اللہ علیہ) حروف مقطعات کے اسرار و رموز پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اور عقلیں تو حکماء کے اسرار و رُموز کے متعلق حیرانگی کا شکار ہو جاتی ہیں تو پھر انبیاء کرام (علیہم السلام) کے متعلق کیا معاملہ ہو گا؟ مزید یہ کہ مرسلین کے (اسرار و رموز) کا

[1] تستری، ابو محمد سہل بن عبداللہ، تفسیر تستری، (بیروت: دار الکتب العلمیة، 1423ھ) ج:1، ص:25

معاملہ کیسے (سمجھ میں آسکتا) ہے؟ اب بھلا کوئی اللہ رب العالمین کے اسرار و رُموز کے حقائق جاننے کا خواہش مند کیونکر ہو سکتا ہے؟ سیّدنا حضرت ابو بکر صدیق (رضی اللہ عنہ) نے ارشاد فرمایا: (اللہ عزوجل کی نازل کردہ) ہر کتاب کا کوئی نہ کوئی راز ہوتا ہے اور قرآن مجید کے راز سورتوں کے شروع میں آنے والے حروف ہیں- ان حروف کے اسرار و رُموز کی معرفت سوائے برگزیدہ اولیاء کرام اور اکابر کے کسی کو حاصل نہیں ہو سکتی اور ہر کسی پر اس کی معرفت کا نور اس کے مشروب کی صفائی کی مقدار کے مطابق ہی چمکتا ہے"-[2]

تفسیر روح المعانی:

علامہ محمود آلوسی بغدادی (رحمۃ اللہ علیہ) اس مضمون کو نہایت بلیغ اور جامع انداز میں یوں بیان فرماتے ہیں کہ:

"اہل محبت کے درمیان ایسا راز ہوتا ہے جسے کوئی قول یا قلم جو مخلوق سے بیان کرتا ہے (اس راز کو) ظاہر نہیں کر سکتا"-

مزید لکھتے ہیں کہ:

"ان حروف کا صحیح مفہوم سیّدی رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے بعد اولیاء کاملین جانتے ہیں ان کو یہ علم بارگاہِ رسالت مآب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے حاصل ہوتا ہے اور بعض اوقات یہ حروف خود اپنے اسرار کو اولیاء کرام سے بیان کر دیتے ہیں جیسے یہ حروف اُن کے تاجدار انبیاء، سرور دو عالم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے گویا ہوئے تھے جن کے دستِ اقدس میں کنکریوں نے تسبیح بیان کی اور گوہ اور ہرن نے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے گفتگو کی"-[3]

تفسیر خازن:

حضرت علی المرتضیٰ (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں:

"بے شک ہر کتاب میں کچھ عمدہ ہوتا ہے اور اس کتاب (کلام مجید) کا بہت عمدہ حصہ حروفِ تہجی ہیں - یہاں یہ اعتراض ہوتا ہے کہ (حروف تہجی) الم، حم وغیرہ کے معانی صرف اللہ عزوجل جانتا ہے تو اُس کا اپنے بندوں کے ساتھ ایسی بات سے خطاب کرنا جس کو بندے جانتے ہی نہ ہوں یہ درست نہیں ہے؟"

اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ جس طرح اللہ عزوجل کا اپنے بندوں کو ان چیزوں کا مکلّف اور پابند کرنا درست ہے، جن کا مفہوم و مقصد معلوم نہ ہو، جیسے رمی جمار (حج کے موقع منیٰ میں شیطان کو کنکریاں مارنا) اس معانی و مفہوم اور مقصد ہماری عقل میں نہیں آتا (اس کے باوجود ہمیں اس کے کرنے کا حکم دیا گیا) اوراس میں حکمت یہ ہے کہ اس میں (یعنی سمجھ نہ آنے کے باوجود سر تسلیم خم کرنے میں) اللہ عزوجل کی کامل اطاعت وفرمانبرداری ہے سو اسی طرح وہ حروف مقطعات جو سورتوں کے آغاز میں نازل کیے گئے ہیں ان پر ہمیں ایمان لانا واجب ہے اوراس کے متعلّق بحث کرنا (اس کے معانی تلاش کرنا) ضروری نہیں ہے- مزید حضرت عبد اللہ ابن عباس (رضی اللہ عنہما) کا قول نقل فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ یہ حروف اللہ عزوجل کی قسمیں ہیں اللہ عزوجل نے ان حروف کے ذریعہ قسم کھائی ہے- کیونکہ یہ حروف اعلیٰ مرتبہ اور فضیلت کے حامل ہیں- کیونکہ یہی حروف اللہ عزوجل کی نازل کردہ کتابوں کی بنیاد اور اساس ہیں اور یہی حروف اللہ عزوجل کے خوب صورت نام اور اس کی بلند صفات کی بنیاد ہیں- رہا یہ سوال کہ پھر قرآن کریم میں ان حروف میں سے بعض کو ذکر کرنے پر اکتفاء کیوں کیا گیا حالانکہ مراد سارے ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جیسے ہم کہتے ہیں کہ میں نے "الحمد" پڑھی اور مراد اس سے پوری سورت ہوتی ہے"-[4]

تفسیر مظہری:

علامہ سجاوندی (رحمۃ اللہ علیہ) سے ایک روایت نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

"حروف مقطعات اللہ عزوجل اور اس کے رسول مکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے درمیان راز ہیں اور دوستوں کے درمیان ایسے اشارات ہوتے ہیں مگر اللہ عزوجل اپنے محبوب مکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے غلاموں میں سے جسے چاہتے ہیں (اپنے

---

[2] ابن عجيبة، أبو العباس أحمد بن محمد بن المهدي الحسني، البحر المديد في تفسير القرآن المجيد، (ج:1، ص:71-72، زیر آیت: البقرة:1

[3] الألوسي، شهاب الدين محمود بن عبد الله الحسيني رحمة الله عليه (المتوفى:1270ھ)، روح المعاني، ج:1، ص:103، زیرِ آیت البقرة:1

[4] الخازن، علي بن محمد بن إبراهيم بن عمر رحمة الله عليه (المتوفى:741ھ)، لباب التأويل في معاني التنزيل،، ج:1، ص:22-23

محبوب مکرم، شفیع معظّم (ﷺ) کے وسیلہ جلیلہ سے) عطا فرماتے ہیں- اس کے بعد اپنے شیخ کا قول نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں: اللہ عزوجل نے مجھ پر حروف مقطعات کی تعبیر اور معانی ظاہر فرمائے ہیں"-[5]

قاضی ثناء اللہ پانی پتی (رحمۃ اللہ علیہ) حروف مقطعات کے بارے میں اپنے مرشد کا قول نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"پورا قرآن اللہ عزوجل کی برکات کا بحر ذخّار ہے اور یہ حروف مقطعات ان برکات کے اُبلتے ہوئے چشمے ہیں، جن سے علوم کا سمندر رواں ہے- سو ایسا معلوم ہوتا ہے یہ حروف قرآن پاک کے اجمال کی تفصیل ہیں اور اللہ عزوجل ان کی سب سے بہتر مراد جانتے ہیں"-[6]

تاویلاتِ نجمیہ:

شیخ الشیوخ امام نجم الدین کبریٰ (رحمۃ اللہ علیہ) کی تفسیر میں ہے کہ قرآن پاک میں نماز کی تین ہیئتوں کا ذکر ہے:

1: قیام جیسا کہ اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

"وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ"

"اور کھڑے ہو اللہ کے حضور ادب سے"-

2: رکوع جیسا کہ اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ

"اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو"-

3: سجود جیسا کہ اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

"اور (اے حبیب مکرم ﷺ) سر بسجود رہیں اور ہم سے (مزید) قریب ہو جایئے"-

نماز کی یہ تینوں حالتیں "الٓمّٓ" کی تفسیر ہیں:

پس 'الف' سے قیام کی طرف اشارہ ہے اور 'ل' میں رکوع کی طرف اور 'م' میں سجدہ کی طرف-[7]

نماز، اللہ عزوجل کی عبادات کا کمال اور مؤمنین کی معراج ہے اور قیام، رکوع اور سجود پوری نماز کا خلاصہ ہیں- انہی تین حالتوں کو "الٓمّٓ" میں سمو دیا گیا ہے- (قیام الف کی طرح سیدھا ہونا، رکوع لام کی طرح نصف دائرہ اور سجدہ میم کی طرح مکمل دائرہ)-

تفسیر القرآن العظیم لابن أبی حاتم:

حضرت ابن ابی حاتم (رحمۃ اللہ علیہ) حضرت ابو العالیہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت نقل فرماتے ہیں:

"ان حروف میں سے ہر حرف اللہ عزوجل کے اسماء مبارکہ میں سے ایک اسم کی چابی ہے اور ان میں سے کوئی حرف نہیں ہے مگر وہ آیت ہے اور اس میں سے کوئی حرف نہیں ہے مگر وہ قوم کی مدت اور ان کی عمر کی متعلق ہے- 'الف' اللہ عزوجل اسم جلالت کی چابی ہے، 'ل' اس کے اسم لطیف کی چابی ہے اور 'م' اللہ عزوجل کے اسم مجید کی چابی ہے- 'الف' سے مراد اللہ عزوجل کی نعمتیں، 'ل' سے مراد اللہ عزوجل کا لطف اور 'م' سے مراد اللہ عزوجل کی بزرگی ہے"-[8]

تفسیر معالم التنزیل (البغوی):

ایک قول کیا گیا ہے کہ:

"حروف مقطعات میں سے ہر حرف اسماء الٰہیہ میں سے کسی نہ کسی اسم الٰہی کی کنجی ہے- جیسا کہ حضرت عبد اللہ ابن عباس (رضی اللہ عنہما) 'کھیعص' کے بارے میں فرماتے ہیں کہ 'ک' کافٍ کی کنجی، 'ھ' ھادِ کی کنجی، 'ی' حکیم کی کنجی، 'ع' علیم کی اور 'ص' صادق کی کنجی ہے"-[9]

تفسیر ابن عربی:

"الٓمّٓ" کی تفسیر میں محی الدین ابن عربی (رحمۃ اللہ علیہ) ارشاد فرماتے ہیں:

[5] مظهري، محمد ثناء الله (المتوفى: 1225ھ)، التفسير المظهري، ج:1، ص:15، زیرِ آیت: البقرہ:1
[6] ایضاً، ص:16
[7] التاویلات النجمیہ زیرِ آیت البقرۃ:1
[8] ابن ابی حاتم، عبد الرحمن بن محمد رحمۃ اللہ علیہ، تفسیر القرآن العظیم، ایڈیشن سوم (المملكة العربية السعودية، مكتبة نزار مصطفى الباز) ج:1، ص:33
[9] بغوی، الحسين بن مسعود بن محمد رحمۃ اللہ علیہ (محی السنہ)، معالم التنزيل في تفسير القرآن- ج:1، ص:80-

"الف" سے اشارہ ہے اس ذات کی طرف جس کا وجود سب سے مقدّم ہے اور 'لام' سے اشارہ اس عقل فعّال کی طرف جس کا نام جبریل (علیہ السلام) ہے اور یہ درمیانی وجود ہے جو مبداء سے فیض حاصل کرتا ہے اور منتھیٰ تک پہنچاتا ہے اور 'م' سے اشارہ (سیّدنا) حضرت محمد مصطفٰے (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی ذاتِ اقدس کی طرف جو وجود کے اعتبار سے آخری (یعنی آخر میں تشریف لانے والے)، آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی ذاتِ اقدس کے ساتھ دائرہ مکمل ہو جاتا ہے"۔[10]

تفسیر سمرقندی:

امام ابو اللیث ابراہیم سمرقندی (رحمۃ اللہ علیہ) لکھتے ہیں کہ:

"الٓمّٓ" میں 'الف' سے مراد اللہ تعالیٰ، 'ل' سے مراد حضرت جبریل (علیہ السلام) اور 'م' سے مراد سیّدنا محمد مصطفٰے (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی ذاتِ اقدس ہے اور اس کا معنی ہو گا اللہ عزوجل وہ ذاتِ اقدس ہے جس نے بالواسطہ جبریل (علیہ السلام) سیّدی رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر یہ قرآن نازل فرمایا جس میں کوئی شک نہیں۔[11]

تفسیر تستری:

امام سہل بن عبد اللہ تستری (رحمۃ اللہ علیہ) حضرت عبد اللہ ابن عباس (رضی اللہ عنہما) سے ایک روایت نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

"الف" سے مراد اللہ عزوجل، 'ل' سے مراد حضرت جبریل (علیہ السلام) اور 'م' سے مراد سیّدی رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی ذاتِ اقدس ہے پس اللہ عزوجل نے اپنی ذاتِ اقدس، حضرت جبریل (علیہ السلام) اور حضرت محمد مصطفٰے (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی قسم کھائی ہے"۔[12]

تفسیر عرائس البیان:

قاضی ابو محمد روز بہان بقلی شیرازی (رحمۃ اللہ علیہ) فرماتے ہیں کہ:

"الٓمّٓ" کا ایک معنی یہ ہے کہ 'الف' کا اشارہ وحدانیتِ ذات کی طرف ہے اور 'ل' کے ذریعے اپنی ازلی صفات کی طرف اشارہ فرمایا ہے اور 'م' کے ذریعے اپنی آیات (نشانیوں) کے اظہار پر اپنی قدرت و طاقت کی خبر دی ہے۔ اس لیے 'الف' میں ذات کا راز ہے، 'ل' میں صفات کا راز ہے اور 'م' میں اس کے افعال اور آیات کا راز ہے۔ اللہ عزوجل نے 'الف' کی تجلی سے انبیاء کرام (علیہم السلام) کی ارواح مبارکہ کو اپنی ذاتِ اقدس کے راز سے نوازا ہے اور ان سے بشریت (کی صفات) کا خاتمہ فرمایا اور انہیں اپنی ذاتی انوار کی چادر پہنادی گئی ہے اور انہیں اپنے معجزات کے ظہور کے ساتھ خاص فرمالیا ہے (یعنی ان کے ہاتھوں پر معجزات کے ظہور کو مقرر فرمادیا گیا ہے)۔ جبکہ اس نے 'ل' کی تجلی سے قلوبِ عارفین کو اپنی صفات عالیہ کے راز سے نوازا ہے جس کے نتیجے میں ان سے کدورات فنا کر دی گئی ہیں اور انہیں اپنی صفات جمیلہ کا لباس پہنایا (یعنی وہ "تخلقوا باخلاق الله" کے مظہر بن گئے) چنانچہ ان (یعنی قلوب پر الوہی صفات کے جلووں کے غلبہ) کے باعث ان سے شطحیات کا صدور ہوتا ہے (جن کو غیر عارفین نہیں سمجھ سکتے) اسی طرح 'م' کی تجلّی سے اولیاء اللہ کی عقول پر اپنے ازلی رازوں سے پردہ اٹھادیا گیا، جس کے نتیجے میں ان سے شہوات کو فناء کر دیا گیا ہے اور اس (اللہ عزوجل کے انوار وتجلیّات کے غلبہ) کے باعث ان سے کرامات کا صدور ہوتا ہے"۔[13]

تفسیر طبری:

حضرت عکرمہ (رضی اللہ عنہ) حضرت عبد اللہ بن عباس (رضی اللہ عنہما) سے "آلر، حم اور ن" اللہ عزوجل کے اسم مبارک "الرحمٰن" کے جُدا کئے ہوئے اسم مبارک ہیں۔[14]

---

[10] ابن عربی، محی الدین بن علی بن محمد بن احمد بن عبداللّٰہ (رحمۃ اللہ علیہ) (الناشر: داراحیاء التراث العربی - بیروت، 2001ء) ج:1، ص:11
[11] السمرقندي، نصر بن محمد بن أحمد بن إبراهيم، بحر العلوم، (المعروف تفسیر سمرقندی)، ج:1، ص:21- زیرِ آیت: البقرة:1-2
[12] تستری، ابو محمد سہل بن عبداللّٰہ، تفسیر تستری، (بیروت: دار الکتب العلمیة، 1423ھ) ج:1، ص:25
[13] روزبہان البقلی ابو محمد بن ابی النصر الصوفی (رحمۃ اللہ علیہ) (الشیرازی)، عرائس البیان فی حقائق القرآن ج:1، ص:27-28-
[14] الطبری، محمد بن جریر (المتوفی: 310ھ) - جامع البیان فی تأویل القرآن - زیر آیت: المؤمنون:100- ج:1، ص:208

حضرت سعید بن جبیر (رضی اللہ عنہ) حضرت عبد اللہ بن عباس (رضی اللہ عنہما) سے "الم، حم، ن" کی ایک یہ تفسیر نقل کی ہے کہ یہ جدا کیا ہوا اسم ہے۔

دیگر کئی مفسرین نے فرمایا: 'ن' سے مراد دوات اور 'القلم' سے مراد قلم ہے۔[15]

تفسیر قرطبی:

ویسے تو ہر زبان میں مختصر الفاظ بولے جاتے ہیں جن کے معانی کو اہل زبان جانتے ہیں اور بعض کثرت استعمال کی وجہ سے بھی الفاظ مختصر ہو جاتے ہیں اردو اور انگلش میں اس کی امثلہ بکثرت ہیں تو کیا عرب زبان میں یہ چیز موجود ہے؟ اس کا جواب دیتے ہوئے علامہ قرطبی (رحمۃ اللہ علیہ) زجّاج کا قول نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں، فرماتے ہیں کہ:

"ان حروف میں سے ہر حرف ایک معانی ادا کرتا ہے عرب میں نظماً اور فصحاً حروف مقطعات کو ان کلمات کے بدل بولتے ہیں جن سے یہ حروف مشتق ہیں۔ جیسا کہ شاعر کا قول ہے: فَقُلْتُ لَهَا قِفِي فَقَالَتْ قَافْ۔ شاعر نے ارادہ کیا کہ قالت وقفت (یعنی قاف بمعنی وقفت ہے۔

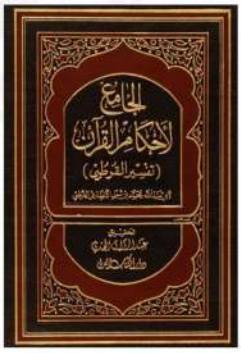

اسی طرح سیّدی رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ارشاد فرمایا: "كَفَى بِالسَّيْفِ شَا" اس کا مطلب ہے "شَافِيًا"۔[16]

مختصر یہ ہے کہ امام قرطبی (رحمۃ اللہ علیہ) یہ وضاحت فرمانا چاہتے ہیں کہ عرب کلام میں کلمات کو اختصار کے ساتھ پڑھنا رائج تھا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حروف مقطعات بھی بامعانی حروف ہیں۔

تفسیر در منثور:

حضرت انس بن مالک (رضی اللہ عنہ) سے مروی ہے کہ سیّدی رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ارشاد فرمایا کہ:

"جس نے قرآن پاک کا ایک حرف پڑھا اللہ عزوجل اس کے لیے اس کے بدلے دس نیکیاں لکھے گا۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود (رضی اللہ عنہ) سے مروی ہے کہ قرآن سیکھو کیونکہ اس کے ہر حرف کے بدلے دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور اس کے بدلے دس گناہ مٹائے جاتے ہیں اور میں نہیں کہتا کہ "الم" ایک حرف ہے لیکن میں کہتا ہوں کہ 'الف' (کی) دس نیکیاں ہیں، 'ل' کی دس نیکیاں ہیں اور 'م' کی دس نیکیاں ہیں"۔

امام ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم، اور ابن مردویہ (رحمۃ اللہ علیہم) اور امام بیہقی (رحمۃ اللہ علیہ) نے کتاب الاسماء والصفات میں حضرت عبد اللہ بن عباس (رضی اللہ عنہما) سے یہ تفسیر نقل فرمائی ہے کہ:

"الم و (المص) و (الر) و (المر) و (كهيعص) و (طه) و (طسم) و (طس) و (يس) و (ص) و (حم) و (ق) و (ن) یہ (تمام حروف) قسم کے ہیں اور اللہ عزوجل نے ان کی قسم اُٹھائی ہے اور یہ اللہ عزوجل کے اسماء میں سے ہیں"۔[17]

تفسیر ابن کثیر:

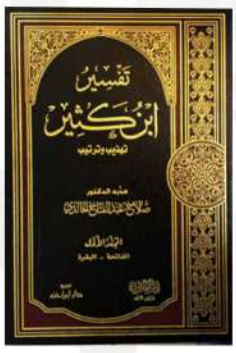

بعض مفسرین یہ کہتے ہیں کہ:

"سورتوں کے آغاز میں حروف یہ اللہ عزوجل کے اسماء مبارکہ ہیں، حضرت سالم بن عبد اللہ اور اسماعیل بن عبد الرحمٰن سدی کبیر (رحمۃ اللہ علیہم) بھی یہی فرماتے ہیں۔ امام شعبہ (رحمۃ اللہ علیہ) فرماتے ہیں کہ مجھے خبر ملی کہ حضرت عبد اللہ بن عباس (رضی اللہ عنہما) سے روایت ہے کہ "الم" اسم اعظم ہے"۔

ایک اور روایت میں ہے کہ:

"حم، طس، اور الم یہ سب اسمائے اعظم ہیں، حضرت علی المرتضیٰ (رضی اللہ عنہ) اور حضرت عبد اللہ بن عباس (رضی اللہ عنہما) سے بھی یہی مروی ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عباس (رضی اللہ عنہما)

---

[15] الطبري، محمد بن جرير (المتوفى: 310هـ)- جامع البيان في تأويل القرآن- زير آيت: المؤمنون: 100- ج: 23، ص: 142

[16] القرطبي، محمد بن أحمد، الجامع لأحكام القرآن- ايڈيشن دوم، زير آيت البقرة: 1، ج: 1، ص: 115

[17] السيوطي، عبد الرحمن بن ابي بكر، الدر المنثور- ج: 1، ص: 56-57، زير آيت: البقرة: 1

سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ یہ قسم بھی ہے اور اللہ عزوجل کا نام مبارک بھی ہے"۔[18]

تفسیر کبیر:

دوسرا قول یہ ہے کہ اللہ عزوجل کے اسماء مبارکہ ہیں جیسا کہ سیّدنا علی المرتضی شیر خدا (رضی اللہ عنہ) سے مروی ہے کہ آپ (دعا مانگتے ہوئے) ارشاد فرمایا کرتے تھے: "یا کھیعص، یاحم عسق"۔

مزید حضرت عبداللہ ابن عباس (رضی اللہ عنہما) کا قول نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

"الم" سے مراد أَنَا اللهُ أَعْلَمُ (میں اللہ جاننے والا ہوں) المص سے مراد أَنَا اللهُ أَفْصِلُ (میں اللہ فیصلہ فرمانے والا ہوں) اور الر سے مراد أَنَا اللهُ أَرَى (میں اللہ دیکھنے والا ہوں)"۔[19]

روح البیان:

علامہ اسماعیل حقی (رحمۃ اللہ علیہ) نے کئی مقامات پہ حروف مقطعات کے بارے میں متعدد ایمان افروز نکات بیان فرمائے ہیں۔ یہاں ان میں سے دو نکات کو لکھنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں، فرماتے ہیں کہ:

سیّدی رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو اولین و آخرین کے علوم عطائے فرمائے گئے ہیں پس یہ بھی ممکن ہے کہ 'الٓمٓ' اور باقی حروف مقطعات ان مواضع اور مخفی اسرار سے تعلق رکھتے ہوں جن کے الفاظ سے محبوب اور محبّ کے درمیان پردہ دیا گیا ہے تاکہ ان کے سوا ان کا علم کسی اور کو نہ ہو۔ اللہ عزوجل نے ان کا علم اپنے حبیب مکرم، (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو اس وقت عطا فرمایا کہ جہاں کسی مقرّب فرشتے کی رسائی نہ ہو اور نہ کسی نبی مرسل کی تاکہ ان حروف کے واسطے سے بالواسطہ جبریل اپنے پیارے حبیب مکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے اسرار و رُموز اور حقائق کے متعلق گفتگو فرما سکیں (جن باتوں کا) نہ جبریل (علیہ السلام) کو علم ہو اور نہ کسی اور کو۔ اس تقریر کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے کہ جب جبریل (علیہ السلام) "کھیعص" لے کر نازل ہوئے تو جبریل (علیہ السلام) نے عرض کی 'ک' تو آقا کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ارشاد فرمایا: "علمت" میں نے جان لیا۔ پھر جبریل (علیہ السلام) نے عرض کی 'ھ' تو خاتم الانبیاء (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ارشاد فرمایا: "علمت" مجھے علم ہے۔ پھر جبریل (علیہ السلام) نے عرض کی 'ی' تو سیّدی رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ارشاد فرمایا: "علمت" مجھے علم ہے۔ پھر جبریل (علیہ السلام) نے عرض کی 'ع' تو حضور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ارشاد فرمایا: "علمت" مجھے علم ہے۔ پھر جبریل (علیہ السلام) نے عرض کی 'ص' تو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ارشاد فرمایا: "علمت" مجھے علم ہے۔ تو حضرت جبریل (علیہ السلام) نے عرض کی، آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ان باتوں کو کیسے جان لیا جس کا مجھے بھی علم نہیں (سُبحان اللہ)۔[20] قربان جائیں، اپنے پیارے آقا کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے علوم کے سمندر پہ جن کی گہرائی کو حضرت جبریل بھی نہ جان سکیں اور ان علوم کی وسعت کے سامنے سوائے حیرانگی کے اور کچھ نہ عرض کر سکے"۔

جیسا کہ تفسیر مظہری میں علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی (رحمۃ اللہ علیہ) نے ارشاد فرمایا کہ پورا قرآن اللہ عزوجل کی برکات کا بحر ذخّار ہے اور یہ حروف مقطعات ان برکات کے اُبلتے ہوئے چشمے ہیں، جن سے علوم کا سمندر رواں ہے اس کی تائید علامہ اسماعیل حقّی (رحمۃ اللہ علیہ) کی نقل کردہ اس روایت سے بھی ہوتی ہے:

"جب اللہ عزوجل نے حضرت موسیٰ (علیہ السلام) پر تورات نازل فرمائی تو وہ ایک ہزار سورتوں پر اور ہر سورت ایک ہزار آیات مبارکہ پر مشتمل تھی، حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے عرض کی۔ یاالٰہی! اس کتاب کو کون پڑھے گا اور کون اسے زبانی یاد کرے گا؟ تو اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا: (اے موسیٰ) میں اس سے بھی زیادہ ضخیم کتاب نازل فرماؤں گا، حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے عرض کی: یااللہ عزوجل کس پر؟ تو اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا: خاتم النبیّین (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر، حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے عرض کی۔ یاالٰہی! ان کی اُمت اسے کیسے پڑھ سکے گی، جبکہ ان

---

[18] ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ، إسماعیل بن عمر بن کثیر رحمۃ اللہ علیہ، تفسیر القرآن العظیم، زیر آیت البقرۃ:1

[19] الرازي، محمد بن عمر رحمۃ اللہ علیہ، مفاتیح الغیب، ایڈیشن: سوم، ج:2، ص:252-253

[20] حقی، إسماعیل بن مصطفی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی:1127ھ)، روح البیان، ج:1، ص:28

کی عمریں بہت تھوڑیں ہوں گی- اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا: میں ان پر وہ کتاب ایسی آسان کر دوں گا کہ اُن کے چھوٹے بچے بھی اسے پڑھ سکیں گے، حضرت موسٰی (علیہ السلام) نے عرض کی- یاالٰہی! اور تو یہ کیسے فرمائے گا؟ اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا: میں نے زمین پر ایک سو تین کتابیں نازل فرمائی ہیں، پچاس شیث (علیہ السلام) پر، تیس ادریس (علیہ السلام) پر، بیس سیّدنا ابراہیم (علیہ السلام) پر اور تورات تجھ پر، زبور (حضرت) داؤد (علیہ السلام) اور انجیل عیسٰی (علیہ السلام) پر- ساری کائنات کا ان میں مَیں نے ذکر فرمایا ہے، پس میں ان تمام (مذکورہ) کتب کے جملہ معانی کو (سیّدنا حضرت) محمد مصطفٰے (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی کتاب میں ذکر کروں گا اوران سارے حقائق کو میں (قرآن پاک کی) 114 سورتوں میں ذکر کروں گا اوران سورتوں کو میں 30 پاروں میں اور ان سب کے مطالب کو سورہ فاتحہ کی 7 آیتوں میں اور پھر ان کے معانی کو 7 حرفوں میں اوروہ سات حرف بسم اللہ کے ہیں پھر ان سب حقائق کو الف میں جمع کروں گا، پھر سورہ بقرہ شروع فرماؤں گا اور کہوں گا "الٓمٓ"-[21]

تفسیر نعیمی:

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی (رحمۃ اللہ علیہ) تفسیر روح البیان کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ:

یہ "الٓمٓ" ان کلاموں میں سے ہے جن کے معانی کی خبر حضرت جبریل کو بھی نہیں ہوئی تھی- ڈاک خانے کے ذریعے حکام کے پاس کچھ شاہی تاروں میں ایسے حروف آتے ہیں کہ جن کو خود تار کا لینے والا پوسٹ ماسٹر اور لانے والا تار بابو بھی نہیں سمجھتا لیکن جس حاکم کے پاس وہ تار آتا ہے وہ اسے خوب سمجھتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ رب تعالٰی نے سب کچھ بتا کر حضور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو مبعوث فرمایا ورنہ سیّدی رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ان حروفِ مقطعات کے معانی ہر گز نہ سمجھتے اور ان کا نزول بیکار ہوتا نیز اللہ عزوجل نے صلوٰۃ و زکوٰۃ وغیرہ ساری عبادات کا حکم ارشاد فرمایا مگر کسی عبادت کی تفصیل نہ بیان فرمائی نہ حضور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے دریافت فرمائی کہ زکوٰۃ کتنے مال سے اور کتنی دیں اور کب دیں بلکہ بلا تامل صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) کو ہر حکم کی تفصیل سمجھادی-

میان طالب و محبوب رمزیست
کراماً کاتبین راہم خبر نیست[22]

تبیان القرآن:

علامہ غلام رسول سعیدی (رحمۃ اللہ علیہ) لکھتے ہیں کہ:

"مفسرین نے کہا ہے کہ طاسین کی 'ط' سے یہ اشارہ ہے کہ اللہ عزوجل سے محبت کرنے والوں کے دل طیّب ہیں اور 'س' سے اس سر (راز) کی طرف اشارہ ہے جو اللہ عزوجل اور اس سے محبت کرنے والوں کے دلوں میں ہے- نیز اس میں یہ اشارہ بھی ہے کہ وہ اپنے طالبین کی قسم کھاتا ہے کہ ان کے دل ماسوا کی طلب سے سلامت ہیں- یہ بھی کہا گیا ہے کہ 'ط' سے اس کے قدس کی طرف اشارہ ہے اور 'س' سے اس کی سناء (روشنی یا بلندی) کی طرف اشارہ ہے گویا کہ وہ اپنے قدس کی طہارت اور اپنی عزت کی بلندی کی قسم کھا کر فرماتا ہے کہ میں اپنے لطف کے کسی امیدوار کی امید کو ضائع اور نامراد نہیں کروں گا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ 'ط' سے اس کے فضل اور 'س' سے اس کی سناء (بلندی) کی طرف اشارہ ہے- امام قشیری (المتوفی: 465ھ) نے لکھا ہے اس میں اشارہ ہے کہ میری پاکیزگی کی وجہ سے میرے اولیاء کرام کے قلوب طیّب (پاک) ہو گئے اور میرے جمال کے مشاہدہ کی وجہ سے میرے اصفیاء کے اسرار چھپ گئے، میرا ارادہ کرنے والوں کی طلب میرے لطف کے مقابل ہے اور نیک اعمال کرنے والوں کے اعمال میری رحمت کے مشکور ہیں"-

الاتقان فی علوم القرآن:

حضرت فاطمہ بنت علی بن ابی طالب (رضی اللہ عنہما) نے حضرت علی المرتضٰی (رضی اللہ عنہ) کو فرماتے ہوئے (یعنی دعا مانگتے ہوئے) سُنا:

[21] حقی، إسماعیل بن مصطفٰے (رحمۃ اللہ علیہ) (المتوفی: 1127ھ)، روح البیان، ج:1، ص:29-30
[22] حکیم الامت، احمد یار خآن نعیمی بدایونی رحمۃ اللہ علیہ، نور العرفان، ج:1، ص:87

"يَا كهيعص اغْفِرْلِي"

"اے 'ک، ھ، ی، ع، ص - مجھے بخش دے"-

حضرت سعید بن جبیر (رضی اللہ عنہ) "حم" کے بارے میں فرماتے ہیں کہ 'ح' (اللہ عزوجل کے اسم مبارک) الرحمٰن سے اور 'م' (اللہ عزوجل کے اسم مبارک) الرحیم سے ماخوذ ہے-

حضرت محمد بن کعب (رضی اللہ عنہ) سے "حمعسق" کے بارے میں مروی ہے آپؓ فرماتے ہیں کہ 'ح' اور 'م' الرحمٰن سے، 'ع' علیم سے، 'س' قُدوس سے اور 'ق' قاھر سے ماخوذ ہے-

حضرت ضحاک (رضی اللہ عنہ) سے "المص" کے بارے میں مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد "أَنَا اللهُ الصَّادِقُ" میں اللہ عزوجل سچا ہوں-

امام سُدّی سے مروی ہے فرماتے ہیں حروف مقطعات اللہ عزوجل کے اسماء میں سے اسماء ہیں جن کو قرآن پاک میں الگ الگ رکھا گیا ہے-

بعض (علم الاعداد کے) ائمہ نے اللہ عزوجل کے فرمان مبارک "الٓمٓ ۝ غُلِبَتِ الرُّوْمُ" سے ماخوذ کیا تھا کہ بیت المقدس 583ھ میں فتح ہو گی اور یہ ایسا ہی ہوا-

ایک قول مبارک یہ ہے کہ "طٰه اور یس" سیّدی رسول اللہ (ﷺ) کے اسماء میں سے ہیں- ایک قول یہ بھی کیا گیا ہے کہ "ن" حضور نبی رحمت (ﷺ) کے اسماء میں سے ایک اسم ہے - اس کو ابن عساکر (رحمۃ اللہ علیہ) نے مبہمات میں حکایتاً بیان فرمایا ہے- کہا گیا ہے کہ 'طٰه' کے معنی چودھویں رات کے چاند کے، کیونکہ 'ط' کے عدد (9) نو ہیں اور 'ھ' کے عدد پانچ - ان کا مجموعہ (14) چودہ ہوا- اسی سے یٰسین کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ اس کے معانی ہیں "یَا سَیِّدَ الْمُرْسَلِیْنَ" (اے رسولوں کے سردار)-

سفیان بن حسین (رضی اللہ عنہما) نے فرمایا کہ حضرت حسن (رضی اللہ عنہ) کی قراءت "صَادِ وَالْقُرْآن" کیا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ اللہ عزوجل ارشاد فرماتے ہیں: 'عَارِضِ الْقُرْآنَ' یعنی قرآن کا اپنے عمل سے مقابلہ کرو-

یہ بھی کہا گیا ہے کہ 'ص' ایک دریا کا نام ہے جس پر اللہ ربُّ العزت کا عرش ہے اور کہا گیا ہے کہ ایک ایسے دریا کا نام ہے جس سے مردوں کو زندہ کیا جاتا ہے-

فرمایا گیا ہے کہ اس کے معنی ہیں:

"صَادَ مُحَمَّدٌ قُلُوْبَ الْعِبَادِ"

"سیّدنا محمد (ﷺ) نے لوگوں کے دلوں کو گرویدہ کر لیا"-

ان سب اقوال کو علامہ کرمانی (رحمۃ اللہ علیہ) نے بھی بیان فرمایا ہے- مزید علامہ کرمانی (رحمۃ اللہ علیہ) نے "المص" کے بارے میں بیان کیا ہے کہ اس کے معنی ہیں:

أَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ

"اے محبوب مکرم (ﷺ)! کیا ہم نے تمہارے لیے سینہ کشادہ نہ کیا (یعنی آپ (ﷺ) کو شرح صدر عطا نہیں فرمائی)-

'حم' کے بارے میں فرمایا کہ اس سے مراد سیّدنا محمد (ﷺ) ہیں- "حمعسق" کے بارے میں فرمایا گیا کہ یہ کوہ قاف (پہاڑ) ہے اور 'ق' ایک پہاڑ ہے جو زمین کے گرد محیط ہے- اس بات کو امام عبد الرزاق (رحمۃ اللہ علیہ) نے حضرت مجاہد (رحمۃ اللہ علیہ) سے روایت کیا ہے- یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ اس سے مراد یہ بھی ہے:

"أُقْسِمُ بِقُوَّةِ قَلْبِ مُحَمَّدٍ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)"[23]

"میں محمد (ﷺ) کے قلب کی قوّت کی قسم کھاتا ہوں"-

خلاصہ کلام:

یہ بات ذہن نشین رہے کہ قرآن پاک کا کوئی لفظ بے معنی نہیں ہے ورنہ قرآن پاک کا (معاذ اللہ) فصاحت و بلاغت سے خالی ہونا لازم آئے گا- حروف مقطعات کے بامعانی

[23] السّيوطي، عبدالرحمن بن أبي بكر)، الاتقان فی علوم القرآن، النَّوعُ الثَّالِثُ وَالْأَرْبَعُونَ: فِي الْمُحْكَمِ وَالْمُتَشَابِهِ، ج:3، ص:28

ہونے پہ بہت بڑی دلیل یہ ہے اہل عرب جن کو اللہ رب العزت نے اپنے ان الفاظ مبارکہ سے چیلنج فرمار کھا تھا:

"وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ ص وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ"[24]

"اور اگر تمہیں کچھ شک ہو اس میں جو ہم نے اپنے خاص بندے پر اتارا تو اس جیسی ایک سورت تو لے آؤ اور اللہ کے سوا اپنے سب حمائتیوں کو بلالو اگر تم سچے ہو"۔

جب مخالفین قرآن کی مانند ایک سورت کی مثل بھی لانے سے عاجز و ناتواں رہے تو اللہ تعالیٰ نے صِرف ایک آیت مبارک لانے کا بھی چیلنج فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:

"فَلْيَاْتُوْا بِحَدِيْثٍ مِّثْلِهٖٓ اِنْ كَانُوْا صٰدِقِيْنَ"[25]

"تو اس جیسی ایک بات تو لے آئیں اگر سچے ہیں"۔

1400 سو سال سے زائد عرصہ سے قرآن پاک کا یہ چیلنج آج بھی مخالفین کو واشگاف الفاظ میں دعوت مبارزت دے رہا ہے تاریخ گواہ ہے کسی بھی مؤرخ نے یہ بیان نہیں کی کہ دورِ جاھلیت کے عرب یا مشرکین نے قرآن کے حروف مقطعات پر کوئی اعتراض اٹھایا ہو (باوجود اس کے انہوں نے قرآن مجید کا (معاذاللہ) نقص تلاش کرنے میں سر توڑ کوشش کی) یا ان کا مذاق اڑایا ھو، جو خود اس بات کی بہترین دلیل ھے کہ وہ لوگ حروف مقطعات کے با معنیٰ ہونے سے بے خبر نہیں تھے۔

یہ نہیں ہو سکتا کہ ان کے کوئی معانی و مفہوم نہ ہوں کیونکہ حضرت حسن (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ارشاد فرمایا:

"مَا نَزَلَ مِنَ الْقُرْآنِ آيَةٌ إِلا لَهَا ظَهْرٌ وَبَطْنٌ، وَلِكُلِّ حَرْفٍ حَدٌّ، وَلِكُلِّ حَدٍّ مَطْلَعٌ"[26]

"اللہ پاک نے قرآن پاک کی جو بھی آیت مبارک نازل فرمائی اس کا ایک ظاہر بھی ہوتا ہے اور باطن، اور ہر حرف کی ایک حد ہوتی ہے اور ہر حد کا ایک مطلع (اس سے مراد ظاہری معنی کی وہ آخری حد ہے جہاں انسانی علم کا سفر ختم ہو جاتا ہے) ہوتا ہے"۔

یہی وجہ ہے کہ محبوب سُبحانی، شہباز لامکانی سیّدی الشیخ عبد القادر جیلانی (قدس اللہ سرّہٗ) نے ایک مرتبہ ایک آیت مبارک کی مکمل چالیس توجیہات ذکر فرمائیں۔ سیّدنا غوث الاعظم (قدس اللہ سرّہٗ) نے (چالیس توجیہات ذکر کرنے کے بعد) فرمایا کہ اب ہم "قال" (علمِ ظاہر) کو (یہیں پر) چھوڑتے ہیں اور (اس آیت کے) "حال" (علمِ باطن) کی طرف لوٹتے ہیں۔ پس (یہ فرمانا تھا کہ) لوگ انتہائی وجد میں آگئے اور بعض نے (اس درجہ جلالیتِ علم سے) اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے"۔[27]

اس وقت اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ قرآن پاک کی ظاہر سے اجساد و عقول کی تربیت کی جائے اور اس کے باطنی اسرار و رموز سے اپنے قلوب و ارواح کو منور و بیدار کیا جائے اور اس کی نورانی تعلیمات کو اپنے وجود پر نافذ کیا جائے۔ بقول ڈاکٹر علامہ محمد اقبالؒ:

قرآن میں ہو غوطہ زن اے مردِ مسلماں
اللہ کرے تجھ کو عطا جدّتِ کردار

اللہ عزوجل کی بارگاہ اقدس میں دعا ہے کہ اللہ عزوجل ہم سب کو قرآن و سنت کا صحیح فہم، عمل اور ابلاغ کی توفیق خاص مرحمت فرمائے۔ آمین!

☆☆☆

[24] (البقرة:23)
[25] (الطور:34)
[26] شرح السنة للبغوی، کتاب العلم، باب الخصومة في القرآن
[27] (زبدۃ الاسرار)

Published & Available

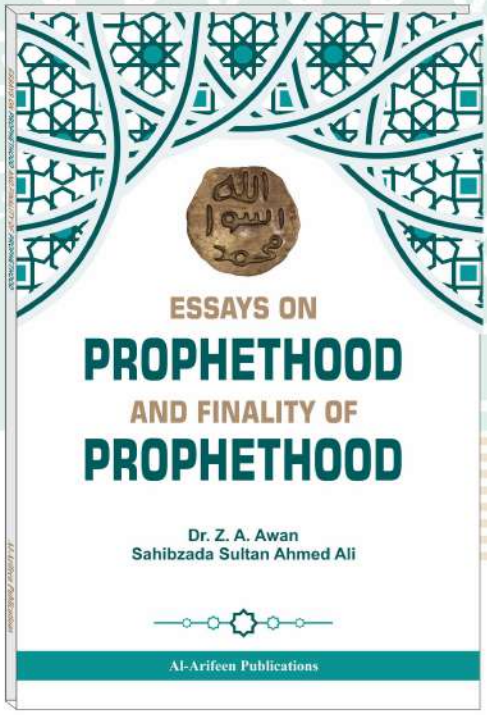

یہ کتاب ڈاکٹر زیڈ-اے اعوان اور صاحبزادہ سلطان احمد علی کے تحقیقی مضامین کا مجموعہ ہے-
اس کتاب میں انبیاء ورسل کی بعثت و پیغام، وحی الٰہی کی ضرورت و اہمیت، رسالتِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عالمگیریت و آفاقیت اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصفِ ختمِ نبوت کو علمی و فکری تناظر میں اُجاگر کیا گیا ہے-

کتاب ھذا نبوت کے روحانی مقاصد، تاریخی تناظر اور عقیدہ ختمِ نبوت جیسے اہم موضوع کی افہام و تفہیم کیلئے ایک عمدہ انتخاب ہے-

اسلامی تعلیمات میں دلچسپی رکھنے والوں کے لیے نایاب علمی تحفہ

A MEANINGFUL STRUGGLE
INTERNATIONAL STANDARD

اپنے قریبی بک سٹال سے طلب فرمائیں-

العارفین پبلیکیشنز (رجسٹرڈ) لاہور-پاکستان
ہیڈ آفس: دربارِ عالیہ حضرت سخی سلطان باھو رحمۃ اللہ علیہ ضلع جھنگ (پنجاب) پاکستان

پوسٹل ایڈریس: پی-او-بکس نمبر 11، جی پی او، لاہور
ویب سائٹ: www.alfaqr.net
ای میل: alarifeenpublication@hotmail.com